علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ اپنے اہل بیں (اس طرح رہتے) تھے کہ آپ اُن سے کسی کھانے کا سوال نہیں کرتے تھے
اگر وہ لوگ کھانا لے آتے تو آپ کھا لیتے اور جو کچھ لے آتے آپ قبول فرما لیتے تھے اور مشروبات میں سے
جو کچھ یہ لوگ دے دیتے آپ پی لیتے تھے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک سب سے مرغوب کھانا وہ
ہوتا تھا کہ جس پر بہت سے ہاتھ (داخل) ہوں یعنی جماعت کے ساتھ کھاتے تھے تنہا نہیں۔ اور معدی کربؓ
کی روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا کہ اولادِ آدم (انسان)
کے لئے وہ چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو درست (قائم) رکھیں، پس اگر اس پر صبر نہ کر سکے تو اس کے
پیٹ کا ایک تہائی حصہ اس کے پانی کے لئے ہو اور تہائی حصہ سانس لینے کے لئے ہو، کھانے کے شروع
میں بسم اللہ کہتے تھے اور یہ عمل سنتِ مؤکدہ ہے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص
کھانا کھائے اور اس کے بعد کہے "الحمد للہ الذی اطعمنی ھذا الطعام ورزقنیہ من غیر حول
منی ولا قوۃ" تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں پچھلے اور اگلے کا لفظ آیا ہے
اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سونا حدِ اعتدال پر اور قلیل تھا اس کے باوجود آپ کا دلِ مبارک
نہیں سوتا تھا بلکہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الف الف صلوٰۃ والتحیہ کی آنکھ سوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے خون کم کرنے (فصد لے جانے) کی تاریخ مہینے کی سترہ یا انیس یا اکیس تاریخ تھی، اور
آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کا لباس چند قسم کا ہوتا تھا نفیس بھی پہنا ہے یعنی رد نہیں فرمایا ہے اور
اس کے علاوہ بھی پہنا ہے اور روئی کا (سوتی) کپڑا اکثر پہنا ہے اور پشمینہ (اونی کپڑا) بھی پہنا ہے۔ مختصر
یہ ہے کہ لباس کے بارے میں آپ کی عادتِ شریفہ تکلف کی نہیں تھی جس قسم کا حاضر ہو جاتا قبول فرما لیتے
اور کپڑا کاٹنے کے لئے کسی دن کا معین ہونا ثابت نہیں ہوا ہے، اور خیر البریہ علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کا
یومِ پیدائش و یومِ وفات دوشنبہ (پیر) ہے، اس دن کے آخری حصہ میں وفات پائی اور اس روز جو کہ
سہ شنبہ (منگل) تھا اُن (کے جسدِ مبارک) کی حفاظت کی گئی اور بدھ کی نصف شب اور ایک روایت
میں اخیر شب میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ واکمل البرکات کو دفن کیا گیا۔ رباعی:-

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِی التُّرَابِ اَعْظُمُہٗ　　فَطَابَ مِنْ طِیْبِہِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ
رُوْحِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ　　فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

[اے وہ ذات جو ان لوگوں میں سب سے بہتر ہے جن کی ہڈیاں مٹی میں دفن ہوگئیں اور اُن کی خوشبو سے میدان اور پہاڑیاں معطر
ہوگئیں میری روح اُس قبرِ مبارک پر فدا ہو جس میں آپ سکونت پذیر ہیں اس میں (درحقیقت) پاکیزگی سخاوت اور بزرگی (مدفون) ہے]
آپ نے حضرت حبیب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی عمرِ مبارک کے بارے میں

۸۶ پوچھا تھا، آپ جان لیں کہ اس بارے میں چند قول ہیں، ایک قول کے مطابق ساٹھویں[۶۰] سال کے اوائل میں وفات پائی اور ایک قول کے مطابق تریسٹھ[۶۳] سال میں اور یہ قول سب اقوال سے زیادہ صحیح ہے اور ایک قول کے مطابق پینسٹھ[۶۵] سال کی عمر میں، اور علماء نے ان اقوال میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ جس نے تریسٹھ سال کہا ہے اس نے سالِ پیدائش اور سالِ وفات کو حساب میں نہیں لیا اور جس نے پینسٹھ سال کہا اس نے سالِ ولادت و سالِ وفات کو بھی شمار کیا ہے اور جس نے ساٹھ سال کہی ہے اس نے عشرات (دہائیوں) کو شمار کیا ہے اور کسور (اکائیوں) کو شمار نہیں کیا۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب ۵۲

شیخ مصطفےٰ کی طرف ہر اسم الٰہی کے تمام اسماء و صفات کا جامع ہونے کی کیفیت کے بیان میں اور مرتبۂ ذات تک وصول کی کیفیت کے بیان میں اور ہمہ اوست و ہمہ از وست کے قول کی تحقیق میں اور اس بیان میں کہ صفتِ ارادہ کا زائل ہونا ولایت کے طریقوں میں مشروط ہے نہ کہ نبوت (کے طریق) میں اور فنائے لطائف اور ان کے انواعِ تعین کے بیان میں اور اس بیان میں کہ قلب جو کہ شعور کا محل ہے اس کی فنائیت کے بعد کون ہے جو صاحبِ شعور ہے اور اسباب کو اختیار کرنے اور ربّ الارباب (اللہ تعالیٰ) کی طرف امور کو تفویض (سپرد) کرنے کے درمیان تطبیق کی کیفیت اور اس کے مناسب بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اما بعد، پس برادرِ اعز و ارشد کا مکتوبِ مرغوب موصول ہوا اور اس کے وصول نے مجھ کو مسرور کیا اور وہ (مکتوب) چند سوالات پر مشتمل تھا پس ہم اُن کے جوابات شروع کرتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ ہی درست جواب کا الہام کرنے والا ہے۔

آپ نے مجھ سے پوچھا ہے کہ "(حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے) بعض مکتوبات میں واقع ہے کہ ہر اسمِ الٰہی اسماء و صفات کا جامع ہے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ہر اسم اسماء و صفات کے ساتھ متصف ہے تو اس سے ذات کا متعدد ہونا یا عرض کا عرض کے ساتھ قائم ہونا لازم آتا ہے اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ اُس اسم کا اسم بھی اسماء و صفات کا جامع ہو اور اسی طرح اسم الاسم کا اسم (بھی اسماء و صفات کا جامع ہو) اسی طرح بے انتہا درجہ تک لے جایئے پس اس سے تسلسل لازم آتا ہے۔" اور جواب یہ ہے کہ بالذات صفت اور صفتِ صفت دونوں کا ذاتِ واجبی تعالیٰ و تقدس کے ساتھ قائم ہونا جائز ہے پس اس سے انقلاب (تسلسل) لازم نہیں آتا اور نہ ہی عرض کا عرض کے ساتھ قائم ہونا لازم آتا ہے

جیسا کہ (علماء نے) اعراض کے بقاء (کے بارے) میں کہا ہے کہ بیشک اعراض اور بقاء جو کہ اس کی صفت ہے دونوں جوہر کے ساتھ قائم ہیں اور (یہ بھی) کیوں نہ جائز ہو کہ اسماء سے مراد وہ اسماء ہیں جو کہ علمِ واجبی تعالیٰ میں جدا جدا ہیں اور مخلوقات کے مبادیٔ تعینات ہو گئے ہیں نہ کہ وہ اسماء جو ان میں مندرج ہیں اس کے علاوہ مک ۸۷
ہم کہتے ہیں کہ کمالاتِ الٰہیہ لامتناہی ہیں پس اس بارے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہے کہ اسماءِ مندرجہ بھی جامع ہوں اور تسلسلِ محال لامتناہی امور کا مجتمع ہونا ہے اور وہ یہاں مفقود ہے اور نیز اسم کے اسماء وصفات کا جامع ہونے سے مراد اُس (سالک) کا اُن کے ساتھ موصوف ہونا نہیں ہے بلکہ اُن کا اس میں ملحوظ ہونا ہے یا اُس کا اُن کے ساتھ متعلق ہونا یا اُس کا اُن کے ساتھ مشروط ہونا ہے جیسا کہ بلاشبہ (صفتِ) علم تمام اسماء کے ساتھ اس کا تعلق ہونے کی وجہ سے تمام اسماء سے زیادہ جامعیت رکھتی ہے اور (صفتِ) تکوین صفاتِ کمال یعنی علم وقدرت وارادہ وغیرہا کے ساتھ مشروط ہونے کے اعتبار سے جامع ہے (کہ) ان کے بغیر وہ کامل نہیں ہوتی پس گویا کہ وہ صفات اس (تکوین) میں ماخوذ ہیں اور قدرت وارادہ (دونوں) حیات وعلم کے ساتھ مشروط ہیں اور اسی طرح سمع وبصر دونوں حیات کے ساتھ مشروط ہیں اور علم کی تابع وملزوم ہیں، پس علم کی جامعیت ان صفات میں ماخوذ ہے اور کلام ان (صفات) پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے جامع ہے اور صوفیائے موحدہ (توحید وجودی والے حضرات) کہتے ہیں کہ ذات تعالیٰ وتقدس اپنے تمام اسماء وصفات کے ساتھ تمام اعیانِ علمیہ وخارجیہ میں ساری ومتجلی (سرایت کرنے والا اور جلوہ فرما) ہے اور اسی لئے وہ کہتے ہیں کُلُّ شَیْئٍ فِی کُلِّ شَیْئٍ [ہر چیز ہر چیز میں ساری ہے]

آپ نے مجھ سے یہ بھی پوچھا ہے کہ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے) مکتوب شریف میں یہ بھی واقع ہے کہ "سالک کے لئے فنا وبقا حقیقت میں بلاشبہ اس اسم میں ہے جو کہ سالک کا مبدأ تعین ہے یا اس اسم کے اصول میں ہے نہ کہ ذاتِ بحت میں" تو پھر ذاتِ بحت کا طالب ذات کے بغیر کس طرح مطمئن ہوگا اور اس کو صبر وقرار کیسے ہوگا؟ **جواب:**۔ طالبِ مذکور کی کوشش کا کمال یہ ہے کہ وہ ظلمانی ونورانی حجابات سے نکل جائے اور اس کی بصیرت سے پردے اٹھا دیئے جائیں یہاں تک کہ اس کو وصلِ عریانی حاصل ہو جائے نہ یہ کہ وہ عنقا کو شکار کرلے اور جس چیز کی نہایت کو حاصل نہیں کیا جاسکتا اس کو احاطہ کرلے، اور اس کے بارے میں فارسی شعر میں کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

عنقا شکارِ کس نشود دام باز چیں کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

[عنقا کو کوئی شکار نہیں کرسکتا تو اپنا جال اٹھالے کیونکہ یہاں ہمیشہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہوا کو ہاتھ میں لینا یعنی اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا]

اور یہاں ایک سِرّ (بھید) ہے جو بالمشافہ گفتگو سے تعلق رکھتا ہے۔

نیز آپ نے مجھ سے پوچھا ہے کہ سالک کے لئے مقصدِ اعلیٰ اور انتہائی مطلب یہ ہے کہ ماسوی اللہ کی رہائی اور اس (تعالیٰ شانہٗ) کے علاوہ ہر چیز کی غلامی سے آزادی حاصل کرے اور اس کو ذات تعالیٰ کے ساتھ استہلاک و اضمحلال حاصل ہو جائے یہاں تک کہ وہ شرکِ خفی کے گرداب سے نکل جائے اور اسی لئے اکثر صوفیائے عالیہ کلمہ ہمہ اوست (سب کچھ وہ ہے) کے قائل ہو گئے اور ہمارے شیخ و امام (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کلمہ ہمہ از وست (سب کچھ اس سے ہے) کے قائل ہو گئے اور حق یہ ہے کہ اس مقصد کے حاصل ہونے میں یہ کافی
ہے کہ سالک اپنے آپ کی اور اپنے ماسوا کی نفی کر دے اور اس کے شہود و شعور میں حق تعالیٰ و تقدس کے ۸۸
سوا کچھ باقی نہ رہے اور اس کے لئے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ معدومِ محض پر موجودِ محض کا حکم لگائے اور ہمہ اوست کہے، اور لیکن میرے دل میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ بلاشبہ اس مقام کے مناسب یہ ہے ہمہ نیست موجود اوست [سب نہیں ہیں موجود وہی ہے] کا کلمہ کہے کیونکہ ظلال جب اصول کے ساتھ مل گئے تو اس کو یہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ہمہ نیست موجود اوست. پس ہمہ از وست کا قول اگرچہ شرکِ خفی سے خارج ہے لیکن وہ شرکِ اخفی کے دائرے سے خارج نہیں ہے جیسا کہ بلاشبہ علما شرکِ خفی سے بچے ہوئے نہیں ہیں مگر یہ کہ ہم یہ کہیں کہ یہ قول مبتدیوں کی نسبت سے ہے"۔ جواب استہلاک و اضمحلالِ مذکور کو توحیدِ شہودی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ فنا اور حق جل و علا کے ماسوا کے شہود و وجود کے شعور کے زائل ہو جانے کا مقام ہے پس اس حال والے کے لئے کلمہ ہمہ اوست اور ہمہ از وست کہنے کی گنجائش نہیں ہے جبکہ وحدتِ حقیقی کے مشاہدہ کے باعث کثرت و افرادِ عالم اس کی نظر سے بالکل دور ہو جاتے ہیں تو پھر وہ کیسے حکم لگاتا ہے کہ بلاشبہ یہ افراد حق تعالیٰ کا عین ہیں یا اُس سبحانہٗ کا غیر ہیں، یہ تو جہل و حیرت کا مقام ہے اور اس قسم کے کلمات کہنا علم و تمیز کا مقتضی ہے اور صاحبِ فنا کو اپنی فنا کا شعور نہیں ہے بلکہ اس کو اپنے مطلوب کا (بھی) ادراک نہیں تو اس کو اپنے مطلوب کے ماسوا کا شعور کیسے ہو گا ؎

آں معرفتے ست نامش ادراکِ بسیط　　آنجا چہ محل دانش و ادراک است

[وہ ایک ایسی معرفت ہے جس کا نام ادراکِ بسیط (بسیط کو پانا) ہے، اس جگہ دانش و ادراک کا کیا موقع ہے]۔

بیشک "ہمہ نیست موجود اوست" اگرچہ اُس کے حال کے قریب ہے لیکن اس کے لئے مذکورہ وجہ کی بنا پر اس قسم کے کلمات کہنے کی گنجائش نہیں ہے اور اگر وہ کہتا ہے تو اس کے حال میں نقص ہے اور اس کے اطوار میں شرک ہے کیونکہ یہ عین الیقین کا مقام ہے اور قوم (صوفیہ) کے مسلّم اصول کی بنا پر اس مقام میں علم (الیقین) و عین (الیقین) دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے حجاب ہے۔

اور یہاں سے آپ نے معلوم کر لیا کہ صاحبِ ہمہ اوست علم الیقین کے دائرہ سے نہیں نکلا اور اُس نے کثرت کے شہود سے رہائی نہیں پائی اور وہ فنا و عین الیقین کے ساتھ متحقق نہیں ہوا اور اگرچہ اُس نے کثرت کو حقانیت کے عنوان کے ساتھ تصور کیا ہے لیکن اس کا مشہود کثرت ہے وحدت نہیں ہے اور آپ کا یہ حکم لگانا کہ "مقصدِ اعلیٰ اور انتہائی مطلب فنا اور اُس (تعالیٰ شانہٗ) کے ماسوا کے شعور کا زائل ہونا ہے" تو سوائے اس کے نہیں کہ یہ مقصدِ اعلیٰ تک پہنچنے کے لئے شرط ہے اور مقصدِ اعلیٰ کا حاصل ہونا ہے

ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

[جبتک کوئی شخص (مقام) فنا حاصل نہ کرلے اس کے لئے بارگاہِ کبریا میں باریابی نہیں ہے]

مکتوب ۲۶ بزرگوں نے کہا ہے جبتک تو (ماسوی اللہ سے) رہائی حاصل نہیں کرے گا نہیں پائے گا۔ وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ [اور اس میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے]۔

۸۹ تنبیہ:۔ جب سالک اس فنا اور عین الیقین سے عروج کرتا ہے (اور) بقا اور حق الیقین کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے اور سُکر و عدمِ شعور سے صحو و شعور کی طرف ترقی کرتا ہے تو علم و عین میں سے کوئی ایک دوسرے کے لئے حجاب نہیں ہوتا اور وہ (سالک) ولادتِ ثانیہ کے ساتھ پیدا اور وجودِ موہوبی حقانی کے ساتھ موجود ہو جاتا ہے اس مقام میں عالم کا شہود حق جلّ وعلا سے جدا ہو جاتا ہے پس اس وقت ہمہ از اوست کا حکم لگایا جاتا ہے اور اس حکم میں اقسامِ شرک سے بری ہوتا ہے کیونکہ وہ فنا کے ساتھ اس (جلّ شانہٗ) کے ماسوا کی محبت سے بے تعلق اور اُس کے غیر کی غلامی سے آزاد اور نفسِ امارہ کے مکر و فریب سے باہر ہو چکا ہے بلکہ اس کا (نفسِ) امارہ مطمئنہ ہو گیا ہے اور وہ اللہ عزّ وجلّ کے اخلاق (صفات) کے ساتھ متخلق ہو چکا ہے اور وہ تکمیل و ارشاد کے لئے عالم کی طرف لوٹ چکا ہے اور عالم کو اُس تعالیٰ شانہٗ کا مصنوع (اور) اُس سبحانہٗ کے کمالات کا مظہر دیکھتا ہے اور جبکہ مظاہر کا صدور اس سبحانہٗ سے ہے اس لئے وہ ہمہ از وست کا حکم لگاتا ہے۔ اور یہ جو آپ نے کہا ہے کہ "مبتدیوں کے اعتبار سے ہے" بیشک اسی طرح ہے لیکن کیا آپ نے نہیں سُنا کہ نہایت ابتدا کی طرف رجوع کرنا ہی ہے، پس یہ قول مبتدیوں اور منتہیوں (دونوں) کی نسبت سے ہے اور عالم کا شہود ان دونوں کا حصہ ہے اور متوسطین جو کہ مغلوب الحال ہیں اپنے استغراق و استہلاک کی وجہ سے عالم کے شہود سے عار رکھتے ہیں اُن کو اُس (تعالیٰ شانہٗ) کے ماسوا کا علم اور اس کے غیر کا شعور نہیں ہے اور وہ نہیں جانتے کہ عالم حق عزّ وجلّ کے لئے معلوم اور اس تعالیٰ کے لئے مشہود ہے اور اس کا علم و شہود صفاتِ کمال میں سے ہے ہاں اس (عالم) کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق نقص و شرکِ خفی ہے اور اس بات سے عوام (مبتدیوں) کے شہودِ عالم اور

اخص الخواص کے شہودِ عالم کے درمیان فرق ظاہر ہوگیا پس عوام کا شہود اور اُن کا علم اُس (عالم) کیلئے تعلق و محبت کے ساتھ ملا ہوا ہے پس ناچار وہ محجوب و محروم ہو گئے اور اخص الخواص (منتہیوں) کا شہود اس تعلق و محبت سے خالی ہے پس انھوں نے (دنیا کی) محبت کے مرض سے نجات حاصل کرلی ہے اور وہ صفتِ کمال کے ساتھ جو کہ علم و شعور ہے متحقق ہو گئے ہیں اور خواص (متوسطین) اگرچہ تعلق کے مرض سے رہائی پاچکے ہیں لیکن صفتِ کمال سے خالی ہیں، اس کے علاوہ یہ ہے کہ ہمارے شیخ و پیشوا بھی کلمۂ "ہمہ نیست موجود دوست" کے قائل ہیں جیسا کہ اُن کے کلام میں غور کرنے والے پر مخفی نہیں ہے۔ اور یہ جو آپ نے کہا ہے "جیسا کہ بلاشبہ علمائے ظواہر شرکِ خفی سے بچے ہوئے نہیں ہیں" اس (قول) سے تعجب ہے، بیشک علماء بھی ہمہ از دوست کے قائل ہیں پس ان پر حکم لگانا کہ وہ شرکِ خفی میں ہیں اور ہمہ از دوست کے قائل پر شرکِ اخفیٰ کا حکم لگانا دعویٰ بلا دلیل ہے اور (یہ) اعتراض حقیقتِ حال کو نہ جاننے اور بات کی کُنہ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے
اور اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے اور اسی کا فیض و کرم ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا الخ ۹۰ پ ۳ ۲۸۶
ہمارے رب! اگر ہم سے نسیان و خطا ہوتی ہے تو تو ہمیں نہ پکڑ۔

نیز آپ نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ "صفتِ ارادہ کا زوال نبی اور ولی دونوں کے حق میں محمود ہے یا صرف ولی کے حق ہی میں ہے الخ" جواب: صفتِ ارادہ کے زائل ہونے سے مقصود اُس (ارادہ) کے بُرے متعلقات کا دُور ہونا ہے اور جبکہ صفتِ ارادہ کی بقا کے باوجود اُس کے متعلقات کا دُور ہونا طریقۂ ولایت میں مشکل بلکہ دشوار ہے اس لئے اہلِ ولایت نفسِ ارادہ کے زوال میں کوشش کرتے ہیں بلکہ اس (ارادہ) کا زوال ولایت کے طریقوں میں شرط ہے اور یہ اس لئے کہ قربِ ولایت ظلی ہے اور قربِ ظلی اتنا قوی نہیں ہوتا کہ نفسِ ارادہ کی بقا کے باوجود اُس کے بُرے متعلقات کو دُور کردے اور طریقۂ (قرب) نبوت میں اس کے بُرے متعلقات کو دور کرنے میں کوشش کرتے ہیں نہ کہ نفسِ ارادہ کے دُور کرنے میں اس لئے کہ وہ فی نفسہٖ کمال کی صفت ہے اور برائی وہ ہے جو کہ اس میں اُس کے بُرے متعلقات سے آگئی ہے پس جب اس کے بُرے متعلقات دُور ہوگئے تو نفسِ ارادہ کے دور ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ قربِ نبوت اصلی ہے اور یہ قرب اتنا قوی ہے کہ اس (ارادہ) کی ذات کے بقا کے باوجود اس کے متعلقات کو دور کر دیتا ہے پس طریقۂ ولایت میں ارادہ کا زوال مطلوب و محمود ہے طریقۂ نبوت میں نہیں اور یہ جو سائل (آپ) نے کہا ہے کہ ارادہ کا باقی رہنا رضا و بندگی کے مقام کے منافی ہے تو یہ غیر مسلّم ہے اس لئے کہ منافی ہونا اس کے بُرے متعلقات کے لئے ہے اس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ارادہ کرتا ہے نہ کہ نفسِ ارادہ کے لئے پس اگر ارادے کی بقا کے باوجود اس کے مقاصد حق تعالیٰ کی مرضیات کے موافق ہوں تو کوئی منافات نہیں ہے۔

نیز آپ نے مجھ سے جواہرِ خمسہ کی فنا کے بارے میں دریافت کیا ہے جو کہ عالمِ امر کے لطائف ہیں اور اُن کے انوار کے تعین کے بارے میں بھی پوچھا ہے پس آپ جان لیں کہ پانچوں لطائف میں سے ہر لطیفہ کے لئے مراتبِ وجوب میں ایک اصل ہے اور ان میں سے ہر لطیفہ کی فنا اُس لطیفہ کے اپنی اصل تک پہنچنے اور اس میں فنا ہو جانے سے وابستہ ہے اور قلبؔ کی اصل صفاتِ افعال سے ہے پس اس کی فنا تجلیٔ افعال سے وابستہ ہے، اور روحؔ کی اصل صفاتِ حقیقیہ سے ہے پس اس کی فنا تجلیٔ صفات سے متعلق ہے اور سِرؔ کی اصل شیونات سے ہے جو کہ صفات کے اصول ہیں پس اس کی فنا تجلیٔ شیونات پر موقوف ہے اور خفیؔ کی اصل صفاتِ تنزیہیہ (سلبیہ) سے ہے پس اس کی فنا اس درجۂ عالیہ تک پہنچنے سے ہے اور اخفیٰؔ کی اصل مقامِ جہل و حیرت سے ہے جو کہ تجلیٔ ذاتی (عمومی) سے پیدا ہوتا ہے پس اس کی فنا اس تجلی کے ساتھ مربوط ہے، اور باقی رہے لطائف کے انوار تو (وہ یہ ہیں کہ) صوفیہ کے قول پر قلب کا نور زرد اور روح کا نور سرخ اور سِر کا نور سفید اور خفی کا نور سیاہ اور اخفیٰ کا سبز ہے۔

اور نیز آپ نے پوچھا تھا کہ "طالبِ وصال تو سالک کا قلب ہے پس اس کو فنائے کامل حاصل ہونے کے بعد مطلوب سے واصل کونسی چیز ہے اور اس کے عدمِ شعور کے بعد وہ کون ہے جو صاحبِ شعور ہے پس اگر ہم یہ کہیں کہ فنائے کامل کے بعد طالب کو اس قلب و ادراک و شعور کے علاوہ ایک اور قلب و ادراک و شعور دیا جاتا ہے اور یہ دوسرا قلب واصل و واقف ہوتا ہے تو اس صورت میں طالب مطلوب تک ہرگز نہیں پہنچا"۔ جواب: مثلاً واصل وہی قلب ہے جو کہ طالب تھا اور جس کو فنا حاصل ہوئی ہے اور صاحبِ شعور بھی وہی معدوم ہے پس اس کا عدمِ شعور مطلوب کے ماسوا کے اعتبار سے ہے اور اس کا شعور مطلوب کے ساتھ ہے یعنی اس کے ساتھ ادراکِ بسیط ہے اور بقا کے بعد اس کو ادراکِ مرکب حاصل ہوتا ہے، اور یہ سوال صاحبِ نزہت کے اعتراض کے قریب ہے جو اس نے فنا کی بات کرتے ہوئے قوم (صوفیہ) پر کیا ہے جیسا کہ اس نے فارسی اشعار میں کہا ہے ؎

گویند عنانِ خود چہ تابی   گم شو کہ چو گم شوی بیابی
ایں نکتہ نمود نا صوابم   چوں گم شوم آنگہے چہ یابم
یا بندہ اگر کسے دگر خواست   از گم شدنم پس او چہ میخواست

[لوگ کہتے ہیں کہ تو اپنی باگ کیا موڑتا ہے (بلکہ) تو گم ہو جا کہ جب تو گم ہو جائیگا تو پائیگا، مجھ کو یہ نکتہ درست معلوم نہیں ہوا (کیونکہ) جب میں گم ہو جاؤں گا تو اس وقت میں کیا پاؤں گا، پانے والا اگر کسی دوسرے کو چاہتا تھا تو پھر وہ میرے گم ہونے سے کیا چاہتا تھا۔] اور میں نے اپنے کسی مکتوب میں اس شبہ کے حل میں کچھ لکھا ہے پس وہاں سے طلب کیا جائے۔

اور آپ نے مجھ سے یہ بھی پوچھا ہے کہ "مؤثرِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) پر نظر اور ظاہری اسباب و وسائل پر نظر ایک ہی وقت میں ہوتی ہے پس فقدان اکمل (فنائیت) کے ساتھ وجدانِ اتم (کامل طور پر پالینا) کس طرح جمع ہوگا" جواب: یہ ہے کہ جب وہ (سالک) دیکھتا ہے کہ تمام اشیا میں مؤثرِ حقیقی تو حق عزّوجل ہی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ اسباب عللِ عادیہ ہیں جن کے وجود میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ (اُن میں) اثر پیدا فرما دیتا ہے پس یہ وجدان کے منافی نہیں ہیں اور (ان کی وجہ سے) فقدان (گم شدگی) ہرگز حاصل نہیں ہوا اور کیسے ہو سکتا ہے جبکہ بعض اسباب وہ ہیں جن کا استعمال کرنا واجب ہے اگر ان کو ترک کریگا تو گنہگار ہوگا۔

آپ نے مجھ سے پوچھا ہے کہ "ذکر نفی اثبات کے فوائد کچھ عرصہ تک اسمِ ذات کے ساتھ وابستہ ہوگئے تھے اور نفی اثبات سے میری احتیاج زائل ہوگئی تھی اور اب اسمِ ذات سے بھی احتیاج زائل ہوگئی ہے اور محض توجہ و مراقبہ اس کا قائم مقام ہوگیا ہے"۔ جواب یہ ہے کہ یہ سب طریقے موصل (اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے) ہیں پس جس طریقے سے بھی شرح صدر ہو جائے اور ترقی حاصل ہو جائے اسی میں مشغول رہے لیکن نفی و اثبات کی تکرار ترک نہ کرے اس لئے کہ اس کے فائدے بعد میں بھی متوقع ہیں اور وہ پورے نہیں ہوتے۔

۹۳ آپ نے مجھ سے یہ دریافت کیا ہے کہ "ذاتِ واجبی تعالیٰ اور اس سبحانہٗ کی صفات و اسماء سے حیرت و حسرت اور غم و سوز کے سوا اور کچھ نصیب نہیں ہے"۔ جواب: معاملہ اسی طرح ہے ممکن واجب کی کنہ کو کس طرح پا سکتا ہے اور حادث کے لئے قدیم کا احاطہ کرنا محال ہے پس لامحالہ اس کی محرومی امرِ لازم ہے۔ ما للتراب و رب الارباب [چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک]۔ اس مرتبۂ مقدسہ سے اس کا نصیب اس کی استعداد کے مطابق مقدر ہوتا ہے اور اس کا حصول و وصول اس کے تعین کی قید کے ساتھ مقید ہے اور (ذاتِ) مطلق اس تقدیر سے پاک اور اس تقیید سے بالا ہے اور کسی نے فارسی شعر میں کیا اچھا کہا ہے ؎

تو از خوبی نمی گنجی بعالم مرا ہرگز کجا گنجی در آغوش

{(جب) تو عالم میں خوبی کی وجہ سے نہیں سما سکتا (تو پھر) میری آغوش میں کہاں سما سکتا ہے}

اور یہ اس مکتوب کا آخر ہے۔

والحمد للہ اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ دائماً و سرمداً و علیٰ آلہ الکرام و صحبہ العظام و علیٰ سائر الانبیاء والملائکۃ والصالحین۔

مکتوب ۵۳

حاجی شریف خادم کے نام اُن کے سوالوں کے جواب میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ برادرم حاجی محمد شریف نے چند سوالات کیے تھے ہر ایک کے جواب کو گوشِ ہوش کے ساتھ سماعت فرمائیں، دوامِ آگاہی کے لئے بیداری و خواب (نیند) اور تلاوت و نماز وغیرہ یکساں ہیں، اس مقام میں حضور و آگاہی دل کا ملکہ (صفتِ راسخہ) اور اس کی صفتِ لازمہ ہو جاتی ہے جو کہ جدا ہونے والی نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ [پس میں ڈرتا ہوں کہ (کہیں وہ اس کے بدلے میں) مجھ کو قتل (نہ کر دیں)] فرمایا یہ تبلیغ سے عذر و انکار نہیں تھا بلکہ حال کا بیان تھا اور نیز اس طرف اشارہ ہے کہ میرے قتل کر دیئے جانے کے بعد رسالت کی تبلیغ جیسا کہ اس کا حق ہے مجھ سے ادا نہیں ہوگی (یعنی تبلیغ کا کام نامکمل رہ جائے گا) میں اس بات سے ڈرتا ہوں، اور اگر عذر و انکار ہوتا تو یہ کیوں فرماتے: وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ط [اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے اہل میں سے ایک شخص یعنی ہارون کو جو کہ میرا بھائی ہے میرا معاون مقرر فرما دے اس کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط کر دے اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے] اور دعائے اللھم اغفر لمحمد اور اللھم اجعلہ من اکرم عبادک [اے اللہ! (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مغفرت فرما اور اے اللہ! اُن کو اپنے بزرگ ترین بندوں میں سے بنا دے] کا ثمرہ محض دعا کرنے والے کے لئے ثواب و درجات کا حاصل ہوتا ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ [بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں] اس کے بعد مومنوں کے لئے حکم ہے کہ یہ کہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ [اے اللہ محمد پر رحمت نازل فرما] اور نیز اذان کے بعد یہ کہنا حدیث شریف میں آیا ہے وابعثہ مقاما محمودن الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد [اور ان کو مقام محمود عطا فرما جس کا ۹۳
تو نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا]۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جس چیز کا وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور واقع ہوگی۔ اور غایۃ العمال میں جو حدیث وارد ہوئی ہے وہ اس پر دلیل ہے (اور وہ یہ ہے) اے لوگو! بلاشبہ قیامت کے روز اس کے احوال و مقامات میں سے تم کو سب سے زیادہ

له ۲۶/۱۴ - ۲ه - ۲۰/۲۵-۲۷، ۳۰ - ۳ه - ۳۳/۵۶ -

نجات دلانے والی چیز تمہارا دنیا میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجنا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا (درود بھیجنا) ہی کافی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ الآیہ [بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں] پھر بھی مومنوں کو اس بات کا حکم دیا تاکہ اُن کو اس پر ثواب عطا فرمائے، اس کو دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ممکن اگرچہ ہستی کا وجود مستقل نہیں رکھتا اور جو کچھ رکھتا ہے عاریتی رکھتا ہے لیکن حق تعالیٰ نے اس عاریتی ہستی کو اپنی قدرتِ کاملہ سے ثبات و قرار دیدیا ہے اور احکام صادقہ اس پر مرتب فرمادیئے اور احکامِ شرعیہ مرتب ہیں فرمائے اور دائمی عذاب و ثواب اُن کے ساتھ وابستہ کردیا ہے کہ جو شخص ان کا انکار کرے وہ ملحد و زندیق (بے دین) ہے اور تمام اشیاء کا مالکِ حقیقی وہ تعالیٰ شانہٗ ہے لیکن ظاہر میں اپنے بندوں میں سے ہر شخص کو مالک بنادیا ہے اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو اس میں تصرف کرنا حرام قرار دیا ہے اور اس پر مواخذہ (گرفت) مرتب کردیا ہے فلا تکن من القاصرین [پس تو قصور کرنے والوں میں سے نہ بن] تمام انبیائے کرام علیٰ نبینا وسائر الانبیاء الصلوات والتسلیمات کے درمیان (اس درود شریف) کما صلیت علی ابراھیم [جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت بھیجی] سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص ان کی بزرگی کی وجہ سے ہے جو نبی بھی اُن (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے بعد آیا وہ اُن حضرت کی متابعت پر مامور ہوا ہے: اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا [آپ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کیجئے] اس معنی پر شاہد ہے اور اس بارے میں تفصیل ہمارے حضرت عالی (قدس سرہٗ) کے مکتوبات میں تلاش کرنی چاہئے۔ ایمان و اسلام حقیقت میں ایک ہی چیز ہے لیکن جہاں کہیں اسلام کا عطف ایمان پر آیا ہے وہاں ایمان سے مراد تصدیقِ قلبی قرار دینی چاہئے اور اسلام سے ظاہری فرمانبرداری (مراد ہونی چاہئے) جو کہ اعضائے بدن سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اطلاقاتِ شرع میں ایمان و اسلام اسی معنی میں بھی آیا، آیتِ کریمہ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ [اور بلاشبہ بدر کی لڑائی میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرچکا ہے حالانکہ تم بے سر و سامان تھے] سے مقصود اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا گنوانا اور اُن پر احسان رکھنا اور ان سے شکر طلب کرنا ہے جیسا کہ آیت فَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝ [پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ شکر گذار ہو] اس پر دلالت کرتی ہے نہ کہ خبر یا فائدہ خبر ہے۔ دوامِ حضور کے وقت میں اگر ظاہر سے غفلت ہوجائے یا گناہ سرزد ہوجائے تو ممکن بلکہ واقع ہے اس سے باطن کی حضوری میں کوئی کمی نہیں آتی۔

۱؎ ۳۳/۵۶ ۔ ۲؎ ۱۶/۱۲۳ ۔ ۳؎ ۳/۱۲۳ ۔

مکتوب ۵۴

شیخ محمد علیم جلال آبادی کے نام اللہ سبحانہ کی طرف ہمیشہ متوجہ رہنے اور ماسوا سے قطع تعلق پر

۹۴ ترغیب دینے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، خصوصاً علیٰ سید الوریٰ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ آلہ وصحبہ البررۃ التقی اما بعد، آپ کی جانب سے ہماری طرف مکتوب گرامی پہنچا ایسا مکتوب جو کہ لذاتِ بہشت کی طرف بُلانے والا ہے، اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اللہ کی طرف دائمی توجہ اور ماسوی اللہ سے انقطاع ہمیشہ آپ کے شاملِ حال رہیں، عاشقوں کے دل اس کی محبت کی آگ سے جلتے ہیں اور محبین کے جگر اس کی تمنا میں پیاسے ہیں پس اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کو اُس (حق تعالیٰ) کے سوا اور کوئی فکر نہیں ہے اور اُس شخص کے لئے بشارت ہے جس کو اس کے ماسوا کے ساتھ شعور باقی نہیں ہے، پس وہ شخص خوش نصیب ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں سے موافقت کی اور اس شخص پر افسوس ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے تجاوز کیا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کیلئے (اعلیٰ) درجات پر پہنچنے اور مقاصد کی انتہا کے شہود کے متعلق رسولوں میں افضل اور مخلوقات میں اکمل علیہ وعلیٰ آلہ اتمل الصلوات واعلی البرکات کے طفیل دعا کی گئی ہے۔ میرے مخدوم! برادرِ دینی ملا شاہ حسین چند روز یہاں رہے ہم اُن کی صحبت سے نہایت بہرہ مند و لطف اندوز ہوئے اور آپ کی اجازت کی موافقت پر ہم نے بھی (ان کو) اجازت دی وفقہ اللہ سبحانہ لمرضیاتہ [اللہ سبحانہ ان کو اپنی خوشنودی کے کاموں کی توفیق عطا فرمائے] چونکہ آپ کا محب وخادم ہے (اس لئے) اس کے ساتھ شفقت و عنایت کے طریقے کی زیادہ سے زیادہ رعایت رکھیں۔

مکتوب ۵۵

حاجی سلیم ملتی کے نام نصیحت کرنے اور اپنے طریقہ کا التزام کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علیٰ سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ میرے برادر عزیز حاجی حرمین شریفین اس دور افتادہ مسکین سے سلام و دعا مطالعہ کریں اور

اذکار و طاعات کے وظائف میں مشغول رہیں اور موت کی تیاری سے فارغ نہ رہیں اور آخرت کا زادِ راہ تیار کریں، مختصر یہ ہے کہ دنیا سے روگرداں اور آخرت کی طرف متوجہ رہیں اور خط و کتابت کا راستہ کھلا رکھیں کیونکہ یہ غائبانہ توجہ کا ذریعہ ہے اور طریقہ کے دوستوں کو عزیز رکھیں اور ایک دوسرے میں فانی رہیں آیت رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ [وہ آپس میں بہت مہربان ہیں] پڑھا ہوگا، اور اپنے طریقہ کو لازم پکڑیں اور طریقہ میں کوئی نیا امر پیدا نہ کریں طریقہ کے فیوض و برکات اس وقت تک جاری ہیں جب تک کہ طریقہ میں کوئی نیا امر پیدا نہ ہو، ورنہ فیض کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور طریقہ سکھانے کی اجازت بھی طریقہ میں نئی بات پیدا نہ کرنے اور ۹۵
اتباعِ سنت اور مشائخ (سلسلہ کے پیروں) کی محبت پر استحکام کے ساتھ مشروط ہے، یہ محبت جس قدر زیادہ ہوگی شیخ کے باطن سے فیض کا اخذ اسی قدر زیادہ ہوگا چونکہ جہر (بلند آواز سے ذکر کرنا) ہمارے طریقہ میں نہیں ہے (اس لئے) دوستوں کو جہر کی طرف رہنمائی نہیں کرنی چاہئے اور ذکرِ جہر کا حلقہ منعقد نہیں کرنا چاہئے۔ والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ و علیٰ الہ الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات والبرکات العلیٰ۔

مکتوب ۵۶

ارشاد پناہ حقائق و معارف آگاہ خواجہ عبد الغفار بلخی کی خدمت میں ان کے مکتوب کے جواب میں جو کہ بشارت پر مشتمل تھا اور اصل کی سبقت و استقلال اور ظل کی تبعیت و محبوبیت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ العلی الاعلیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد خیر الوریٰ صاحب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ صحبہ البررۃ التقیٰ، اما بعد، (یہ) ذرۂ احقر ولایت پناہ ارشاد و افادت دستگاہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کا عنایت نامۂ نامی و مکتوبِ گرامی جو کہ شفقت و مہربانی کی وجہ سے اس بے مایہ کے نام ارسال فرمایا تھا اس کے صادر ہونے سے سعادت مند و سربلند ہوا، ع

بوسیدم و برسر و بر دیدہ نہادم	[میں نے اس کو بوسہ دیا اور آنکھ کی پتلی پر رکھا]

امیدوار ہے کہ اسی طرح اس ناکارہ کو بھی کبھی (اپنے) آفتاب کی طرح منور دل کے حاشیہ میں راہ دیتے رہیں گے اور خاص کیفیات کے ساتھ نوازش فرماتے رہیں گے، اس عنایت نامہ کا وارد ہونا جو کہ خط و کتابت کی سبقت کے بغیر عین کرم سے تھا ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھا اس کے پہنچنے سے کشائشوں اور ذوقوں کا امیدوار ہوا حق یہ ہے کہ سبقت بزرگوں (کی طرف) سے ہونی چاہئے تھا وہ کرم کریموں ہی کو زیب دیتا ہے ع

درخانہ بکد خدائی ماند ہمہ چیز　　[گھر کی ہر چیز گھر کے مالک کی ہوتی ہے]

پہلے سے اسی طرح ہوتا آیا ہے اور اشد شوق اصل کی طرف منسوب ہوا ہے، ابتداء ابداً کی طرف سے
اور شروع اصل کی جانب سے ہے، يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ [وہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اُس سے محبت کرتے ہیں] ۵۴ پ ۶
جو خیر و کمال کہ ظل رکھتا ہے وہ سب اصل سے مستعار و مستفاد ہے اور ظل کسی چیز میں بھی اپنے ساتھ
استقلال نہیں رکھتا اور اگر وہ خیر و کمال کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے تو خائن ہے اور اصل کے ساتھ برابری کا
دعویٰ کرتا ہے، کمال اس کے حق میں کمال کی نفی کرنا ہے اور خیریت (بھلائی) خیریت کے سلب میں ہے، ۹۶
ظل جو حصہ کہ اصل سے رکھتا ہے وہ منتسبات کو اس (اصل) کی طرف لوٹا دینے کے بعد محو (فانی) ولاشی
ہوتا ہے جسقدر اصل کا ظہور زیادہ ہو گا ظل کا محو ولاشی ہونا (بھی) اسی قدر زیادہ ہو گا ے

معشوق اگرچہ ہست ہمخانۂ ما　　ویران تر از اول است ویرانۂ ما

[معشوق اگرچہ ہمارا ہمخانہ ہے (لیکن) ہمارا ویرانہ پہلے سے بھی زیادہ ویران ہے]

بیچارہ (ظل) نفی ہو جانے کے سوا اصل سے کچھ حصہ نہیں رکھتا، وہ اس کے کمال کی کیا خبر پائے گا اور
اس کے جمال کا کس طرح سراغ لگائے گا ے

گیرم کہ بغمخانۂ ما یار خرامد　　کو حوصلہ وطاقتِ دیدار کہ دارد

[میں مانتا ہوں کہ ہمارے غمخانۂ دل میں محبوب خوش خرام ہے لیکن اُس کے دیدار کا حوصلہ وطاقت کس کو ہے]

زبدۃ العارفین قدوۃ المحققین حضرت مخدومی اعظم قدس سرہ کی تسبیح اور عصائے مبارک جو کہ آپ نے
ازراہِ مہربانی ارسال فرمایا تھا اور اس مسکین کو اس کے ساتھ نوازا تھا پہنچا، سر اور آنکھوں پر رکھ کر ان کی
برکات سے بہرہ مند و مستفیض ہوا، الٰہی! یہ سلامت رہیں۔ آپ نے جو اس مسکین کے بارے میں قطبیت کی
بشارت دیکھی اور قلمِ مشکیں رقم سے تحریر فرمائی ہے اس کا مطالعہ باعثِ فخر و ناز ہوا، اس ناکارہ کے لئے
اسی قدر بہت ہے کہ آپ کے دریا صفت دل میں راہ پائی ہے اور (آپکے) حضور پُر نور میں ذکر کیا جاتا ہے
اس معنی کو کتنی ہی بشارتوں کے برابر تصور کرتا ہے اور جسقدر خوشی و مسرت کہ اس سے حاصل ہوئی ہے
اس سے زیادہ ہے جو کہ بشارت سے حاصل ہوتی ہے ے

ما سرنی تبشیرکم لی مثلما　　قد سرنی انی خطرت ببالکم

[آپ کے بشارت دینے کی مجھے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ اس بات سے خوشی ہوئی ہو کہ آپ کے دل میں میرا گذر ہوا]

نبی اُمّی اور اُن کی بزرگ آل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے طفیل شفقتوں اور ہدایات
کے سائے دوستوں اور خیرخواہوں کے سروں پر دراز و فراخ رہیں۔

مکتوب ۵۷

میرزا شاہ کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ ممکنات کی حقیقت عدم ہے اور ممکن کیلئے واجب تعالیٰ کی حقیقت کے پانے سے عاجزی و ناامیدی ناگزیر ہے مگر یہ کہ وجودِ موہوب سے متحقق ہو کر مطلب کو تلاش کرے۔

الحمد للہ ذی الانعام والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سید الانام وعلیٰ آلہ الکرام وصحبہ العظام الیٰ یوم القیام میرے مخدوم! انسان اور تمام ممکنات کی حقیقت عدم ہے جو کہ لاشی محض ہے اور وجود اور اس کے تابع کمالات ربِ معبود کے لئے خاص ہیں، ممکن کا وجود واجب کے وجود کے بالمقابل موہومات و تخیلات (وہم وخیال کی باتوں) کا حکم رکھتا ہے، معدوم موجود کی حقیقت کو کیا پائے اور موہوم ثابت و متحقق کی کنہ ۹۷
(حقیقت) کو کیا حاصل کرے پس ناچار معرفت سے عاجز ہونا ہی معرفت ہوگی اور ناامیدی ہمیشہ دامنگیر رہے گی، کسی نے خوب کہا ہے ؎

کو غبارِ ناقۂ لیلیٰ کہ مجنوں سالہا — چشم بر رہ داشت گرد ے از بیاباں بر نخاست

[لیلیٰ کی اونٹنی کا غبار کہاں ہے کہ مجنوں برسوں چشم براہ رہا لیکن صحرا سے کوئی گرد نہ اٹھی]

اس بیچارہ کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ اپنے عدم ہونے کی حقیقت پر آگاہ ہو جائے اور ہستی موہوم سے خالی ہو جائے لیکن وہ واجبی تعالیٰ و تقدس کی حقیقت کے ادراک کا کس طرح سراغ لگائے اور مایوسی و عاجزی کے سوا کیا حصہ پائے ؎

عاشقاں را نصیب از معشوق — جز خرابی و جاں گدازی نیست

[عاشقوں کو معشوق سے سوائے خرابی اور جان کو پگھلانے کے اور کچھ نصیب نہیں ہے]

ہاں عارف کے عدم (فنا) ہو جانے اور اس کے اس موہوم ہستی سے خالی ہو جانے کے بعد آیتِ کریمہ
اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ الآیہ [کیا وہ ایسا نہیں ہے کہ جو شخص مردہ تھا ۶/۱۲۲
پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ساتھ وہ چلتا ہے] کے مطابق ہو سکتا ہے کہ اُس وجودِ موہوب اور نورِ مذکور کے ذریعہ مطلبِ اعلیٰ کا سراغ لگائے اور عزت و جلال کے سراپردوں میں داخل ہو جائے، لا یحمل عطایا الملک الا مطایاہ [بادشاہوں کے عطیات بادشاہوں کی سواریاں ہی اٹھاتی ہیں] والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب ۵۸

محمد مومن گیلانی برہانپوری کے نام آپ کے عریضے کے جواب میں اور اس بارے میں کہ مقام اَوْ اَدْنیٰ کا حاصل ہونا تجلی ذاتی کا اثر ہے اور قابَ قوسین تجلی صفاتی سے تعلق رکھتا ہے اور تحقیقات لائقہ اور اس کے مناسب بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، میرے پیارے بھائی کے مکتوب مرغوب نے موصول ہو کر خوش وقت کیا، اللہ سبحانہ کا حمد و شکر ہے کہ آپ عافیت و استقامت کے ساتھ ہیں اور فقراء کی یاد سے خالی نہیں ہیں، آپ نے وجودِ موہوب کے ساتھ کہ جس سے صفات کا قیام ہے متحقق ہونے کے بعد صفات سے عاری ذاتی عدمیت اور فطری نیستی کے ظہور کے متعلق لکھا تھا، واضح ہوا بیشک ممکن کی ذات عدم ہے کہ صفاتِ کمال کے انعکاس کے ذریعے اس (کمال) کے مراتب میں وجود نما ہو گیا ہے، جب صاحبِ استعداد سالک کی نظر عدمیتِ ذاتیہ پر پڑتی ہے اور کمالاتِ منعکسہ کو پوری طرح ان کمالات کے مالک کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ فنا و نیستی کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے اور اس موت کے ساتھ جو کہ
پ۸ ع ۱۲۲ موت سے پہلے ہے مشرف ہو جاتا ہے اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا الآیۃ [کیا (ایسا نہیں ہے کہ) جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور اس کے لئے ایک نور بنایا] کے بموجب اگر اس مردے کو زندگی بخشنا اور محبت کی شراب کے اس مدہوش کو ہوش میں لانا چاہیں تو اس کو اپنے پاس سے حیات و علم وغیرہ صفاتِ کمال عطا فرماتے ہیں پس اس وقت وہ اس کی حیات کے ساتھ زندہ اس کے علم کے ساتھ عالم،
۹۸ اس کی قدرت و ارادہ کے ساتھ قادر و مرید (ارادہ کرنے والا) ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک نکتہ ہے، جاننا چاہئے کہ ممکنات کے حقائق عدماتِ مقیدہ ہیں جو کہ کمالاتِ وجود کے انعکاس کے ساتھ متمیز ہو گئے ہیں اور ہر ایک عدم دوسرے عدم سے جدا ہو گیا ہے اور جب کمالاتِ وجودی اپنے اصول کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عدم کے آئینے کو خالی چھوڑ دیتے ہیں تو اس کو تمام اعدام سے امتیاز دینے والی چیز نہیں رہتی اور عدم بھی اپنی اصل کے ساتھ جو کہ عدمِ مطلق ہے مل جاتا ہے اس وقت
پ۲۹ ع ۲۸ کامل و مکمل طور پر عارف سے نہ عین رہتا ہے نہ اثر، لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ [نہ باقی رہنے دیگی اور نہ چھوڑیگی] کمالاتِ وجودیہ جس طرح اس سے رخصت ہوئے تھے اور اس کو عدم کے حوالہ کر دیا تھا عدم بھی (اسی طرح) اس سے جدا ہو گیا اور عدمِ مطلق کے ساتھ جا ملا، شاید کہ یہ کمال اَوْ اَدْنیٰ کا بطور تجلی ذاتی کا اثر ہو

جیسا کہ سابقہ کمال کہ (جس میں) عارف کمالات کے اپنی اصل کے ساتھ مل جانے کے بعد اپنے آپ کو جمادو عدم پاتا تھا قابَ قَوسَینِ سے تھا اور تجلیٔ صفات کے ساتھ تعلق رکھتا تھا، اگر (یہ) کہا جائے کہ جب عدم کی تمیز صفات کے ظہور کے ساتھ ہے تو جب صفات اپنے اصول کی طرف راجع ہو جائیں عدم کو بھی عدم مطلق کی طرف لوٹ جانا چاہئے کیونکہ عدم کو امتیاز دینے والی چیز نہیں رہی پس دونوں کمال ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہوں گے اور (ان کا) جدا ہونا مفقود ہوگا تو پھر کیوں ایک کمال تو تجلیٔ صفات سے متعلق ہوا اور دوسرا کمال تجلیٔ ذات سے ظاہر ہوا" میں کہتا ہوں کہ اپنی صفات و کمالات کو حق تعالیٰ و تقدس کی صفات و کمالات کے ظلال دیکھنا تجلیٔ صفات سے ہے اور اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال اپنے اصول کی طرف لوٹ جائیں اور عارف اپنے آپ کو صفاتِ کمال سے خالی پائے اور صحرائے عدم کی طرف سامان لے جائے لیکن جس وقت کہ سالک کی سیر صفات کے دائرے میں ہے اگرچہ ظلال اصل کے ساتھ مل جائیں اور عدم کا آئینہ کمالات سے خالی نظر آئے (پھر بھی) اُس عدم کے عدم مطلق کے ساتھ مل جانے کا مانع ہوتا ہے جب وہ دائرۂ صفات کو آخری نقطہ تک پہنچا لیتا ہے تو تجلیٔ ذات پرتو ڈالتی ہے کیونکہ ہر مقام کی انتہا تک پہنچنے کی علامت اس کے اوپر کے مقام کا ظہور ہے اسوقت مذکورہ تعلق جو کہ مذکورہ لحوق کا مانع تھا نہیں رہتا اور عدم مقید عدم مطلق کے ساتھ مل جاتا ہے پس اس لئے مطلق طور پر دونوں کمالوں کے درمیان تلازم اور جُدا نہ ہونا مطلقاً غیر مسلّم ہے بلکہ دائرۂ صفات کے نقطۂ آخر تک وصول کے ساتھ مقید ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ معاملہ تجلیٔ ذات کے پرتو سے ہے اور اس کا اثر ہے اور تجلیٔ ذات کا معاملہ ایک ذوقی امر ہے جو کہ کہنے اور لکھنے میں درست نہیں آتا جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں جانا۔ ع

قلم ایں جا رسید و سر بشکست {قلم یہاں تک پہنچا اور (اس کی) نوک ٹوٹ گئی}

ص۹۹ آپ نے لکھا تھا کہ "نماز میں کبھی ایسا حضور پیش آتا ہے کہ اس (نماز) کے باہر پیش نہیں آتا" میرے مخدوم! جو حالت کہ نماز میں پیدا ہوتی ہے اس کو غیر نماز (کی حالت) پر فضیلت ہے اور یہ حضور اصل ہونے کی خبر دیتا ہے۔ والسلام

مکتوب ۵۹

شیخ آدم لُھنَقی کے نام اس بیان میں تحریر فرمایا کہ مشائخ کی نسبت اُن کے مخترعات میں سے نہیں ہے بلکہ انوارِ نبوت سے اقتدا کی گئی ہے اور اس بیان میں کہ نسبتِ نقشبندیہ حضرت صدیق اکبرؓ تک

اور دوسرے تمام سلسلوں کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ تک کس طرح پہنچتی ہے۔

اے اللہ! تو پاک ہے اور سب تعریف تیرے لئے ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! تو ان پر اور ان کی آل واصحاب وازواج واہل بیت پر اپنی معلومات کی تعداد کے مطابق اپنی سب سے افضل رحمت اور بکثرت برکت و سلامتی بھیج۔ آپ کے گرامی نامے ہمیں موصول ہوئے جو دوستوں کی سلامتی اور پسندیدہ طریقہ پر آپ کی استقامت اور مشائخ کی محبت اور فانی المشائخ ہونے کی خبر دینے والے تھے اُس پر اور ہر حال پر اللہ سبحانہ کا کامل ترین حمد و شکر ہے۔

آپ نے ہم سے دریافت کیا ہے کہ "اس طریقہ نقشبندیہ میں جو تمام اوقات میں احدیت صرفہ کی طرف متوجہ رہنا پھر (ذکر) نفی واثبات و مراقبہ کرنا اگر آنحضرت علیہ وعلی آلہ من الصلوۃ افضلہا و من التسلیمات اکملہا اور اصحاب کرام علیہم الرضوان کے زمانہ میں ہوتا تو ان کے بعد کے حضرات آنحضرت کی سنتوں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین مہدیین کی سنتوں پر مشتمل مدونہ کتابوں میں ان امور کو ضرور نقل کرتے کیونکہ یہ حضرات ان (مسنون) امور کی طرف از حد راغب تھے اس لئے یہ امور محض اولیائے عظام کی اختراعات میں سے ہیں، پس اس طریقہ علیہ میں ہر قسم کی بدعت سے اجتناب کا دعویٰ کرنا اور یہ کہنا کس طرح صحیح ہے؟ کہ بدعت میں نہ کوئی خوبی ہے اور نہ کوئی نور ہے اور نہ اس میں بیمار کے لئے کوئی شفا ہے اور نہ اس میں کسی بیماری کا علاج ہے، اور سلسلۂ نقشبندیہ کے سوا (تمام) سلسلوں کا انتساب (حضرت) علی کرم اللہ وجہہ کی طرف اور اس سلسلۂ عالیہ کا انتساب (حضرت) صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کس معنی سے ہے۔"

پس ہم پہلے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ بلا شبہ ظاہری کمالات اور باطنی مقامات سب کے سب بارگاہِ نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام سے مستفاد ہیں پس بدنی (ظاہری) احکام و اعمال ہم تک علمائے کرام کی روایت سے پہنچے ہیں اور اسرار و باطنی معاملات صوفیائے عظام کی روایت سے پہنچے ہیں ؎ مثنوی

فکلہم من رسول اللہ ملتمس ———— غرفا من البحر اَو رشفا من الدیم

[پس سب انبیا علیہم السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہی) سے سمندر کے کچھ چلو یا بارش کا کچھ پانی مانگتے ہیں]

وکلہم / رشفا

(حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے (علم کے) دو ظروف یاد کئے پس البتہ ان میں سے ایک کو تو میں تم لوگوں میں پھیلا تا ہوں اور دوسرے کو اگر میں پھیلاؤں تو یہ (میرا) گلا کاٹ دیا جائے۔ اس کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے، اور روایت کیا گیا ہے کہ جب (حضرت) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پا گئے تو ان کے صاحبزادہ

عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) نے اُن کی تمام عمر کے ایام میں صحابہؓ کی مجلس میں کہا کہ دس میں سے نو حصے علم مر گیا پھر جب انھوں نے بعض کی طرف سے اس بارے میں توقف دیکھا تو کہا میری مراد علم باللہ (باطنی علم) سے ہے حیض و نفاس کا علم مراد نہیں۔ پس تمام سلسلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب (اور) آپ ہی تک پہنچے ہیں، پس مشائخ و اہلِ سلاسل نے نسبتِ باطنی اپنے شیوخ کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم سے حاصل کی ہے پس اُن کی نسبت اُن کی خود ساختہ نہیں ہے البتہ اس نسبت کو فنا و بقا و جذبہ سلوک اور سیر الی اللہ وغیرہ سے موسوم کرنا صوفیہ کی اختراعات میں سے ہے۔ نفحات[۱] میں ہے کہ سب سے پہلے ص۵۷ جس نے فنا و بقا کے الفاظ استعمال کئے ابو سعید خراز (قدس سرہ) ہیں، پس اصل نسبت مشکوٰۃ نبوت سے لی گئی ہے اور اس نسبت کے لئے نام کا وضع کرنا بعد کی اختراع ہے اور ذکرِ قلبی بھی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) مروی ہے جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام بعثت سے پہلے ذکرِ قلبی میں مشغول رہتے تھے۔ اور ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ احدیتِ صرفہ کی طرف متوجہ رہنا اور نفی و اثبات و مراقبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا اور نہ صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کے زمانہ میں تھا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سکوت (تفکر) ان امور سے ہرگز خالی نہیں تھا اگرچہ وہ ان ناموں سے موسوم نہیں تھا، آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام ذکر اور آپ کا سکوت فکر ہے اور توجہ و مراقبہ وغیرہ فکر میں داخل ہے، تفکر (کے معنی) باطل سے حق کی طرف جانا ہے؛ ایک ساعت (تھوڑی دیر) کا تفکر ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے پس تعجب ہے کہ ان امور کے صدرِ اول میں ہونے کی نفی کس طرح کی گئی ہے اور اس پر کیا دلیل ہے پس اُس (مکتوب الیہ) کا یہ کہنا کہ یہ امور محض اولیاء کے مخترعات میں سے ہیں ناقابلِ تسلیم ہے۔ اور نقل کیا گیا ہے کہ حبسِ دم (سانس روکنا) کے ساتھ ص۱۰۱ نفی و اثبات کا ذکر جو ہمارے طریقہ میں معروف ہے اس کو حضرت خضر علیہ السلام نے خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس سرہٗ کو سکھایا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ (حضرت خضر علیہ السلام) ایسی بدعت کی چیز نہ سکھاتے جس میں نہ کوئی نور و ضیا ہو اور نہ اس سے بیمار کے لئے کوئی شفا ہو پھر اگر یہ کہا جائے کہ جب تمام نسبتیں آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کے انوار سے ماخوذ اور آپ کے اسرار سے مترشح ہوں تو اولیاء کے اندر ان نسبتوں میں اختلاف اور صحو و سکر و تلوین و تمکین اور خلافِ شرع باتوں کا کہنا یا نہ کہنا وغیرہ امور کے ساتھ طریقوں کے مختلف ہونے کی کیا وجہ ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اس اختلاف کی وجہ استعدادوں کا مختلف ہونا اور محلِ واردات کا الگ الگ ہونا اور ظروف و مظاہر (جائے ظہور) کا جدا جدا ہونا ہے اور ان امور کے مختلف ہونے کی وجہ سے ماخوذہ نسبت کے آثار کمیت (مقدار) و کیفیت کے اعتبار سے

مختلف ہوتے ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ایک ہی غذا اور ایک ہی دوا کے اثرات لوگوں اور مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح ایک شخص کے عادات و اطوار مظاہر (مواقع) اور آئینوں (مقامات) کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ ع

بقدرِ آئینہ حسنِ تو می نماید روئے [تیرا حسن بقدرِ آئینہ رونما ہوتا ہے]

پس ہر شخص مشکوٰۃِ نبوت سے کمال اخذ کرتا ہے لیکن اپنی استعداد کے مطابق (اخذ کرتا ہے) اور اس کا اثر مظہر و محل (جائے ظہور) کے مطابق ظاہر ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استعداد کے مطابق اور ظروف کے موافق معانی و اسرار کا افادہ و القا فرماتے تھے، کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم [لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مطابق بات کرو]۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتسلیمات سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) (حضرت) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اسرار کی باتیں فرما رہے تھے پس جب (حضرت) عمرؓ آگئے تو آپؐ نے بات کرنے کا طرز بدل دیا اور اسرار کی تشریح کو تبدیل فرما دیا اور جب (حضرت) عثمانؓ آئے تو اس طرز کو بھی بدل دیا اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آئے تو دوسرے طریقے سے کلام فرمایا اور یہ استعداد کے اختلاف اور فطرت کے مختلف ہونے کی وجہ سے تھا۔

اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ مشائخ (کرام) کے سلسلے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہیں اور امام (موصوف) کے لئے دو نسبتیں ہیں، ایک نسبت آپ کے آبائے کرام کی طرف سے ہے جو (حضرت) علی کرم اللہ وجہہ الکریم تک پہنچتی ہے اور ایک نسبت ماں کی جانب سے اُن کے اجداد (ننہیال کے واسطہ سے) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہے اور ظاہری و باطنی دونوں ولادتوں کے اعتبار سے امام (موصوف) نے کہا ہے کہ مجھ کو ابو بکر (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) نے دو دفعہ جنا ہے اور (یہ) دونوں نسبتیں امام (موصوف) میں ممتاز ہیں اور امام (موصوف) سے مشائخ نقشبندیہ تک صدیق اکبرؓ کی نسبت پہنچی ہے اور (دوسرے) تمام سلاسل کے مشائخ کیلئے اُن (امام موصوف) سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اخذ کی ہوئی نسبت پہنچی ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔

مکتوب ۶۰ ص ۱۰۲

حاجی سلیم بلخی کے نام اس وارد کی شرح میں جو کہ انھوں نے لکھا تھا اور عالم امر کے پانچوں لطیفوں کی سیر وعروج کے بیان میں اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ طالبین کے اجتماع سے ڈرتے اور لرزتے رہنا چاہئے

حمد و صلوٰۃ و ارسالِ تسلیمات کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس حدود کے فقراء کے احوال و اطوار حمد کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی عافیت و استقامت کی دعا کی گئی ہے، آپ کا مکتوب مرغوب جو کہ پسندیدہ احوال پر مشتمل تھا اس کے مطالعہ نے فرحت و خوشی بخشی۔ آپ نے لکھا تھا کہ ”ایک جوان کی تقریب سے جس کو میں نے حلقۂ ذکر میں خانقاہ کے دروازے پر دیکھا تھا میں آپ کی جانب متوجہ ہوا، اچانک آپ مسجد کی محراب میں ظاہر ہو گئے (اور) میری طرف متوجہ ہوئے، نسبتِ عالی نے مجھ پر پرتو ڈالا، اس اثنا میں (ایک) دائرہ نظر آیا جو چودھویں رات کے چاند کی مانند بلکہ اس سے زیادہ روشن و درخشاں تھا، میں نے اپنے آپ کو اس دائرہ میں اس حد تک فنا پایا کہ میں نے اپنے وجود کا کوئی نشان نہیں پایا۔“ میرے مخدوم! ہو سکتا ہے کہ یہ نورانی دائرہ اُس اسمِ الٰہی سے عبارت ہو جو کہ آپ کا مبدأ تعین ہے، اور یہ جو آپ نے اپنے وجود کا کوئی نشان نہیں پایا (یہ) اُس اسم میں فنا کی علامت ہے۔ جاننا چاہیے کہ اس اسم تک وصول اور اس کمال میں فنا ہونا انسان کا مرتبہ ہے اور ولایت اس کے ساتھ مربوط ہے لیکن اس اصول میں بہت سے مراتب ہیں اور اس اسم کے بہت سے ظلال ہیں ہر ظل تک پہنچنے کے وقت وہ ظل اصل کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اور سالک کو واصل ہونے کے گمان میں مبتلا کر دیتا ہے۔ دیکھئے کون صاحبِ نصیب ہے جو کہ اصل کے ساتھ واصل ہو جائے اور ظلال سے پوری طرح رہائی حاصل کرلے، یہ سالکوں کے قدم ڈگمگا جانے اور اُن کے غلطی میں مبتلا ہو جانے کا مقام ہے، حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ”میں سات سال تک مولانا عارفؒ (دیک گرانی) کے ہمراہ اس کوشش میں رہا کہ اصل سے آگاہی حاصل کروں تین بار حجاز کے سفر پر گیا اگر میں وہاں مولانا کی شکل یا مولانا کے مقامات کا ذرا سا مظہر بھی کسی کو پاتا تو وہاں سے ہرگز واپس نہ آتا۔“

آپ نے لکھا تھا کہ ”اس کے بعد میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ فقیر کے تمام لطیفے مقامِ اخفیٰ میں جمع ہو گئے اور سینہ کو چیر کر عالمِ علوی کی طرف پرواز کر گئے اور فقیر کا جسم مسجد میں خالی رہ گیا تھا تو وہ آسمانوں کے طبقات سے ترتیب کے ساتھ گذر گئے اور عرش کے کنگرہ (چوٹی) تک پہنچ کر بیٹھ گئے لیکن ص ۱۰۳ عرش کی طرف توجہ نہیں رکھتے تھے، اور پھر وہاں سے پرواز کی اُسی قدر راہ عرش سے اوپر اُڑے، میں نے سمجھا کہ (یہ) عالمِ لامکانی ہوگا اور وہاں اس حد تک فنا ہو گئے کہ ان کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوا وغیرہ وغیرہ اس کے بعد پھر عالمِ سفلی کی طرف واپس ہوئے اور بدن کی طرف متوجہ ہوئے اور مقامِ اخفیٰ میں اکٹھے ہو گئے، اس کے بعد ہر لطیفہ نے اپنے مقام میں قرار پکڑا۔“ میرے مخدوم! لطائف کا عروج اور اُن کا بدن سے پرواز کرنا اور بدن کو خالی چھوڑ دینا اعلیٰ درجے کے احوال میں سے ہے اور اُس کو فنائے جسدی

تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل حضرت عالی (قدس سرہٗ) کے رسائل میں مذکور ہے۔ میرے مخدوم! عالمِ امر کے پانچوں لطیفے جو کہ عالمِ صغیر کے اجزا ہیں کہ انسان ہے ان کے اصول عالمِ کبیر ہیں جو کہ انسان کے سوا علویات و سفلیات ہیں اور ان اصول کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو کہ لامکانیت سے کچھ حصہ رکھتا ہے اور بیچونی کی آمیزش لئے ہوئے ہے، ان لطائفِ پاک کو اس بدنِ حادث کے ساتھ عشق و گرفتاری دی گئی ہے اور اس سبب سے اُن نورانی لطائف کو اس ظلمانی پیکر کے ساتھ خاص تعلق ہو گیا ہے جیسا کہ ان لطائف میں سے ہر لطیفہ کو انسان کے جسم میں معین مقام اور جدا جدا مقرر ہو گیا ہے اور اعلیٰ علیین سے اسفلِ سافلین میں نزول کیا ہے، افسوس ہے اگر وہ اس قفس میں قید رہے اور عالمِ سفلی کی گرفتاری کے جال سے رہائی حاصل نہ کرے اور اس پُر خطر سفر سے رجوع نہ کرے، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ

پ ۹ / ۱۷۹ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ [وہ چوپایوں کی مانند بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، وہی لوگ غافل ہیں] اور سعادتِ ازلی جس شخص کی دستگیری فرماتی ہے وہ اس کو اس ظلمت کدہ کی قید سے رہائی دلاتی ہے اور اصل کا شوق اس کا دامنگیر ہو جاتا ہے اور کشاں کشاں اپنے ساتھ لیجاتا ہے ؎

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

[جو شخص اپنی اصل سے دور رہ گیا ہو، وہ اپنے وصل کا زمانہ پھر سے ڈھونڈے]

لطائف کا یہ عروج جو آپ نے لکھا ہے اُس کشش کا نتیجہ ہے اور اصل کے جذب کر لینے کے باعث ہے اور چونکہ ان لطائف کے فطری مقامات اور ان کا ظہور عرش کے اوپر ہے اس لئے ان کا عروج عرش سے اوپر ہوگا جو کہ ان کے ظہور کا مقام ہے، دائرۂ امکانی ان لطائف کے اصول کی نہایت پر ختم ہوتا ہے اور سالک اُن کے منتہا تک پہنچنے کے ساتھ فنا حاصل کرتا ہے جو کہ دائرۂ امکانی کے طے ہونے سے وابستہ ہے اور سیر الی اللہ کو انجام تک پہنچاتا ہے اور سلوک کو پورا کرتا ہے اس کے بعد معاملہ جذبہ سے تعلق رکھتا ہے جس کو سیر فی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سالک کا مبدأ تعین اس سیر میں شامل ہے ؎

بوصلش تا رسم صد بار از پا افگند شوقم کہ نو پروازم و شاخِ بلندے آشیاں دارم

[اس کے وصل تک رسائی سے پہلے میرا شوق مجھ کو سینکڑوں بار پاؤں سے گرا دیتا ہے کیونکہ میں نیا نیا اُڑنے والا ہوں اور ایک بلند شاخ پر آشیاں]

مکتوب ۱۰۲ آپ نے طالبین کی کثرتِ ہجوم کے بارے میں لکھا تھا اور اُن سے عجیب و غریب احوال ظاہر ہونے کی بابت اظہار فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں اور اُن کے احوال میں اچھی طرح مشغول رہیں اور ان کے حق میں توجہات کرتے رہیں اور حلقہ ذکر کو آباد رکھیں لیکن اس ہجوم و اجتماع سے ڈرتے اور لرزتے رہیں اور ہمیشہ التجا و عاجزی کرتے رہیں کہ (کہیں) اس اجتماع میں اس شخص کی خرابی نہ چاہتے ہوں اور

ظاہر کی یہ کثرت باطن کی وحدت میں اثر انداز نہ ہو جائے اور بعض نفسانی وسوسے جو اس اجتماع میں پیدا ہوں اُن سے توبہ و استغفار لازمی جانیں۔ مختصر یہ ہے کہ اس کام میں سرگرم بھی رہیں اور ڈرتے اور استغفار بھی کرتے رہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے اعمل واستغفر [عمل کر اور استغفار کر] اوقات کو ذکر و فکر سے معمور رکھیں اور خلوت کی طرف راغب رہیں اور نفی و اثبات کی اس قدر تکرار کریں کہ وجود و توابعِ وجود کا کچھ اثر باقی نہ رہے اور حضورِ خود بخود ظاہر ہو جائے اور لا یذکر اللہ الا اللہ [اللہ ہی اللہ کو یاد کرتا ہے] پرتو ڈالے، اس معنی میں نہیں کہ اس وقت میں بندہ حق جلّ وعلا ہو جاتا ہے بلکہ اس معنی میں کہ بندہ ہستی موہوم سے خالی ہو جاتا ہے اور نفسِ امارہ کی انانیت (میں پن) جڑ سے اُکھڑ جاتی ہے اور معشوق خود بخود اپنے اوپر جلوہ گر ہو جاتا ہے، دوستوں سے سلامتی خاتمہ کی دعا کی امید کی جاتی ہے والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفٰی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات والبرکات العلی۔

مکتوب ٦١

فضائل مآب حاجی ابوالقاسم ابن مراد لاہوری کے نام اُن وجوہ کے بیان میں جو علماءِ کرام کی بیان فرمائی ہوئی معرفت اور اس معرفت کے درمیان فرق کرنے والی ہیں جس کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں اور اس معرفت کو حاصل کرنے کی ترغیب کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ گرامی نامہ نے مشرف کیا اور مسرت بخشی چونکہ قصور کی دید اور ماضی و حال کے احوال و اطوار پر افسوس کرنے کی خبر دینے والا تھا اور مطلوب تک پہنچنے کی آرزو کی طرف اشارہ رکھتا تھا (اس لئے) مزید مسرت کا باعث ہوا، حق سبحانہٗ اس دید کو اور زیادہ کرے اور خود پسندی و غرور سے نجات دے اور دل میں شوق کی آگ بھڑکائے تاکہ وصول سے روکنے والے امور سے یکسو کر دے اور اس کی طلب و محبت میں یک جانب و یک رُخ بنا دے۔ انہ قریب مجیب [بیشک وہ قریب ہے (اور) قبول کرنے والا ہے] میرے شفقت آثار مخدوم! اس فانی دنیا میں مقصدِ اعلیٰ حق جلّ وعلا کی معرفت حاصل کرنا ہے اور معرفت دو قسم کی ہے، قسمِ اول وہ معرفت ہے جس کو علمائے عظام نے بیان فرمایا ہے اور قسمِ دوم وہ (معرفت) ہے کہ جس کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں، پہلی قسم نظر و استدلال کے ساتھ وابستہ ہے اور دوسری قسم کشف و شہود سے مربوط ہے، پہلی ص ۱۰۵
قسم دائرۂ علم میں داخل ہے جو کہ تصور و تعقل (تفکر) کی قسم سے ہے اور دوسری قسم دائرۂ حال میں داخل

اور تحقق (متصف ہونے) کی جنس سے ہے، پہلی قسم عارف کے وجود کو فنا کرنے والی نہیں ہے اور دوسری قسم سالک کے وجود کو فنا کرنے والی ہے کیونکہ معرفت اس طریقہ میں معروف (اللہ تعالیٰ) میں فنا ہونے سے عبارت ہے۔

قُرب نے بالا و پستی رفتن است ؎ قرب حق از قیدِ ہستی رستن است

[اوپر اور نیچے جانے کا نام قرب نہیں ہے حق تعالیٰ کا قرب ہستی (وجود) کی قید سے رہائی پانا ہے]

پہلی قسم علمِ حصولی کی قسم سے ہے اور ادراکِ مرکب ہے اور دوسری قسم علمِ حضوری کی قسم سے ہے اور ادراکِ بسیط ہے کیونکہ اس مقام میں حاضر حق سبحانہ ہے بجائے نفسِ سالک کے کہ وہ فنا حاصل کر چکا ہے قسمِ اول نفس کی مخالفت و انکار کے باوجود معرفت کا حصول ہے کیونکہ نفس اس مقام میں اپنی صفاتِ رذیلہ پر قائم ہے، امارگی اور سرکشی سے جو کہ اس کی ذات میں ہے نہیں نکلا ہے اور ظلم و سرکشی سے جو کہ اس کی فطرت میں ہے باز نہیں آیا ہے اس مقام میں اگر ایمان ہے تو (وہ) ایمان کی صورت ہے اور اگر اعمالِ صالحہ ہیں تو اعمال کی صورت ہیں کیونکہ نفس ابھی تک اپنے کفر پر ہے اور اپنے آقا کی مخالفت پر قائم ہے، حدیثِ قدسی میں ہے: عاد نفسك فانها انتصبت بمعاداتی [تو اپنے نفس کی مخالفت کر کیونکہ بلاشبہ وہ میری مخالفت پر کمر بستہ ہے] اس لئے اس ایمان کو مجازی ایمان کہتے ہیں، یہ ایمان زوال و خلل سے محفوظ نہیں ہے المجاز ینفی (مجاز کی نفی ہو جاتی ہے)۔ اور معرفت کی دوسری قسم چونکہ سالک کے وجود کو فنا کرنے والی ہے اور نفس کے مطیع ہو جانے کا ثمرہ دینے والی ہے اس لئے اس مقام کا ایمان زوال سے محفوظ اور خلل سے مامون ہے، ایمان کی حقیقت اس جگہ میں ہے اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت اس مقام میں ثابت ہے حقیقت کی نفی نہیں ہوتی اور بقا اس کے لئے لازم ہے گویا حدیث شریف میں اللھم انی اسئلك ایمانا لیس بعدہ کفر [اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جس کے بعد کفر نہ ہو] اور آیتِ کریمہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (الآیہ) [اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ] ۱۳۶ میں اسی ایمان کی طرف اشارہ ہے، امام احمد حنبل (رضی اللہ عنہ) اس معرفت کے طالب رہے ہیں کہ اس قدر علم و اجتہاد کے باوجود بشر حافی (رضی اللہ عنہ) کے ہم رکاب جاتے تھے، لوگوں نے ان سے سبب پوچھا، انھوں نے فرمایا (کہ) وہ خدا (تعالیٰ) کو مجھ سے بہتر پہچانتے ہیں، شاید کہ امام اعظم کوفی قدس سرہٗ نے عمر کے آخری دو سال میں جو اجتہاد و استنباط ترک کر کے خلوت اختیار کی جیسا کہ انھوں نے خواب میں (کسی سے) فرمایا لولا السنتان لھلك النعمان [اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا] وہ (آخری دو سال ہی) اسی معرفت کی تحصیل و تکمیل اور اسی ایمان کے مکمل کرنے میں (مصروف رہے) جو کہ اس معرفت کا ثمرہ ہے ورنہ وہ اعمال میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے، کونسا عمل ہے جو اجتہاد و استنباط کے درجہ کو پہنچتا ہے

اور کونسی عبادت ہے جو تدریس و تعلیم کے مرتبہ تک جاتی ہے، اور جاننا چاہیے کہ کامل طور پر اعمال کی قبولیت کمالِ ایمان کے مطابق ہے اور اعمال کی نورانیت کمالِ اخلاص سے ہے ایمان جسقدر زیادہ کامل اور اخلاص جتنا زیادہ مکمل ہوگا اعمال کا نور و قبول و کمال کچھ اور ہی ہوگا، اور اس ایمان کا کمال اور اخلاص کی تکمیل معرفت کے ساتھ وابستہ ہے اور چونکہ یہ معرفت اور ایمانِ حقیقی فنا اور موت قبل الموت سے وابستہ ہے اس لئے جس شخص کا قدم فنا میں جتنا زیادہ راسخ ہوگا وہ ایمان میں اُسی قدر زیادہ کامل ہوگا اسی لئے (حضرت) صدیقِ اکبر (رضی اللہ عنہ) کا ایمان اُمت کے ایمان پر فوقیت لے گیا، لو اتزن ایمان ابی بکر مع امتی لرجح ایمان ابی بکر [اگر ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے ایمان کو میری امت کے ایمان سے وزن کیا جائے تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا ایمان بڑھ جائے گا (الحدیث)] کیونکہ وہ فنائیت میں فردِ کامل تھے۔ من اراد ان ینظر الی میت یمشی علی وجہ الارض فلینظر الی ابن ابی قحافہ (الحدیث) [جو شخص زمین پر چلتی پھرتی لاش کو دیکھنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ ابو قحافہ کے بیٹے (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کو دیکھ لے] (یہ حدیث) اس معنی کی تائید کرتی ہے کیونکہ تمام صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) میں حصولِ فنا کے باوجود (حضرت) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی حصولِ فنا میں تخصیص بھی ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس معنی (فنائیت) کے کمال پر دلیل ہے۔ اس تحریر سے مقصود اور طول کلامی سے مطلوب یہ ہے کہ عقلمندوں اور ذہین لوگوں پر ضروری ولازمی ہے کہ اپنے انجام کار (مستقبل) اور زمانۂ حال کے بارے میں اچھی طرح غور کریں، جس کسی کو مذکورہ معرفت حاصل ہے تو اس کے لئے خوشی و خوشخبری ہے جو کچھ اس کی پیدائش سے مقصود تھا وہ بجا لایا، اور آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ ای لیعرفون [اور میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے یعنی تاکہ میری معرفت حاصل کریں] کے مطابق اپنی زندگی بسر کی کیونکہ عبادت کا کمال معرفت سے وابستہ ہے اور جس شخص کو یہ معرفت حاصل نہیں ہے اس کو چاہیے کہ اس کی طلب میں جان کے ساتھ کوشش کرے اور جس جگہ سے مطلوب کی بو پائے اس کا پیچھا کرے، افسوس ہے کہ اس دنیائے فانی میں جس چیز کا اس شخص سے مطالبہ کیا گیا ہے اس کو بجا نہ لائے اور دوسرے امور میں مشغول ہو جائے اور جس چیز کی تخریب کے لئے (اس کو امر کیا گیا ہے اس کی تعمیر کرے، کل (قیامت کے روز) کس منہ اور کونسے حیلہ سے عذر کی زبان کھولے گا۔ ؎

ترسم کہ یار با ما نا آشنا بماند تا دامنِ قیامت ایں غم بما بماند

[میں ڈرتا ہوں کہ (مبادا) محبوب ہمارے (حال) سے نا آشنا (ہی) رہے (اور) یہ غم دامنِ قیامت تک ہمارے ساتھ رہے]

مکتوب ۶۲

حاجی مصطفے کے نام اس بیان میں کہ ولایات کا حاصل ہونا اور ان کا علم وہبی چیز ہے اور ان کے مقامات (واردات) کیسی ہیں اور اس کے مناسب امور کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حامداللہ العظیم ومصلیاً علی رسولہ الکریم، اللہ تعالیٰ فیض کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے، مکتوب مرغوب پہنچکر مسرت کا سبب ہوا اور اس کی بعض کیفیات کے مطالعہ نے ذوق بخشا۔ آپنے بعض ظاہری مطالب کے حاصل نہ ہونے کے بارے میں لکھا تھا الخیر فیما صنع اللہ سبحانہ [اللہ سبحانہٗ جو کچھ کرتا ہے اس میں بہتری ہے] تمام امور کو حق جل وعلا کے سپرد کردیں اور ان کے حصول میں رنج نہ اٹھائیں اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ [کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے] ہم لوگوں کی عزت ایمان و معرفت سے ہے نہ کہ مال وجاہ سے، ایمان کی تکمیل میں کوشش کریں اور معرفت کے مراتب حاصل کرنے میں سعی کامل ملحوظ رکھیں، اس اعلیٰ مطلب کے حاصل کرنے میں جسقدر مشقت اٹھائیں مناسب وعمدہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے اپنے غموں کو ایک غم یعنی آخرت کا غم بنالیا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام غموں سے کفایت کرے گا اور جس شخص کو دنیوی حالات کے غموں نے پراگندہ کیا اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ ان (غموں) کی کسی بھی وادی میں مرے۔ اگر کوئی شخص حصولِ معاش میں صبر نہ کرسکے تو وہ کسی قدر کوشش کرلے اگر کامیاب ہوگیا تو اچھا ہے ورنہ اس کے پیچھے نہ پڑے کہ اس چکر میں پھنس جائیگا اور پریشانی لاحق ہوگی۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اس بات کا علم کہ مرید صغریٰ یا کبریٰ یا علیا وغیرہ کونسی ولایت میں ہے الخ"۔

میرے مخدوم! ان اشیاء کا علم خود ان اشیاء کی طرح موہبی ہے اگرچہ ان کے مقامات (واردات) کیسی ہیں، صاحبِ معاملہ اگر صاحبِ تفصیلِ علم ہے تو اپنے وجدان سے ان ولایتوں کو پہچانتا ہے اور ایک ولایت سے دوسری ولایت میں اپنا منتقل ہونا پاتا ہے اور اسی طرح صاحبِ علم پیر (بھی) مرید کی ولایت کو اور اس کے ایک ولایت سے دوسری ولایت میں منتقل ہونے کو مشاہدہ کرتا ہے، اور اگر مرید صاحبِ علم نہیں ہے تو اس کو پیر کا علم کافی ہے، مختصر یہ ہے کہ ولایت حاصل ہونی چاہئے اگر اس کا علم (بھی) دیدیں تو ایک نعمت ہے ورنہ (عدمِ علم) نفسِ ولایت میں کچھ نقص نہیں رکھتا فمنا من علم ومنا من جھل [پس ہم میں سے وہ لوگ بھی ہیں جن کو علم ہے اور وہ بھی ہیں جن کو علم نہیں ہے]۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اگر یہ علم وہبی ہے تو توجہ کریں تاکہ اس سے کچھ حصہ نصیب ہوجائے"۔ انشاء اللہ تعالیٰ

توجہ کی جائیگی، یہ علم ارشاد و تکمیل کے لئے شرط نہیں ہے اگرچہ مستحسن ہے لیکن جس صاحبِ کمال نے ان ولایتوں (ولایاتِ ثلاثہ وغیرہ) کی سیر کی ہے اور نزول کی طرف لایا گیا ہے اور تکمیل و ارشاد پر مقرر ہوا ہے اگر پوری ہمت کے ساتھ اس امرِ عظیم کی طرف متوجہ ہو جائے اور توجہات کرے اگرچہ وہ صاحب تفصیل علم نہ ہو اغلب یہ ہے کہ وہ طالبوں کے نقص و کمال اور ان کی ترقی اور ایک ولایت سے دوسری ولایت میں منتقل ہونے کے احوال سے بے خبر نہیں رہے گا اگرچہ اجمالی طور پر ہو اور اگرچہ بعض علامات کے ذریعہ سے ہی اتفاقی اور (اگرچہ) بعض اُن امور سے جو کہ اس امرِ عظیم میں لازمی ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے علم کرانے سے ہی مطلع ہو جائے۔

ع تو کار بگفتِ کارداں کن   خود کار بگوید ت کہ آں کن

(تو کام جاننے والے کے کہنے کے مطابق کام کر کام خود تجھ کو بتائے گا کہ یوں کر)

والسلام علیکم و علی سائر من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب ۶۳

شیخ آدم حنفی کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ نوافلِ موقتہ کے اوقات میں احتیاط کے طور پر قضا نمازیں پڑھنا ان نوافل کی جگہ واقع ہو جائیں گی۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، آپ نے ہم سے دریافت کیا ہے کہ "جس مریض کی بیماری کے کچھ دنوں کی فرض نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور وہ ان کو بعد ہی ادا کرے اور اپنی اُن قضا نمازوں کی تعداد نہیں جانتا اور نیز اگر تہجد و اشراق کے اوقات میں ان دونوں نمازوں کے بدلے میں اور سنتِ مؤکدہ کے علاوہ جو نوافل بعض اوقات میں پڑھنے مروی ہیں ان کے بدلے میں ان قضا نمازوں کو پڑھتا رہے اور اپنی تمام عمر اسی طرح کرتا رہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کی بیماری کے دن ایک سال تک نہیں پہنچے تو اس صورت میں کیا اس کو ثوابِ عظیم حاصل ہوگا جو اِن (نوافل) نمازوں (کے پڑھنے) کے بارے میں وارد ہوا ہے یا نہیں حاصل ہوگا"۔ پس ظاہر قول یہ ہے کہ قضا نمازیں پوری ہونے کے بعد (کی نمازوں میں یہ ثواب) حاصل ہوگا اس لئے کہ (اب) یہ نمازیں نفل میں تبدیل ہو جائیں گی اور نوافلِ موقتہ میں تعیینِ نیت شرط نہیں ہے پس وہ نمازیں نوافلِ موقتہ کی جگہ واقع ہوں گی۔

مکتوب ۶۴

شرف الدین حسین لاہوری کے نام ان کے مکتوب کے جواب میں تحریر فرمایا انھوں نے لکھا تھا کہ ہمہ اوست کی واردات دل پر غالب آجاتی ہیں۔

فیوض کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں (آپ کے) مکتوب شریف کے مطالعہ نے شادمان و مسرور کیا آپ نے لکھا تھا کہ "ہمہ اوست کی کیفیت دل پر چھا جاتی اور غالب آجاتی ہے اور اس عاجز نے شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرض کر دیا ہے تاکہ جو کچھ حکم فرمائیں حتی الوسع اس پر قائم رہے، ع

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید (اگر تجھ کو پیر مغاں کہے تو اپنے مصلے کو شراب کے ساتھ رنگین کرلے)

میرے مخدوم! یہ وارد اور اس قسم کی دوسری کیفیات محبت کے غلبہ کے باعث ہیں محبت کے نشہ (کی وجہ) سے محب کی نظر میں محبوب کے سوا کچھ نہیں آتا اور شوق کی زیادتی کے باعث کثرت کو جمالِ وحدت کا آئینہ پاتا ہے ؎

در و دیوار چو آئینہ شد از کثرتِ شوق ہر کجا می نگرم روئے ترا می بینم

(چونکہ کثرتِ شوق کی وجہ سے در و دیوار آئینہ کی مانند ہو گئے ہیں (اس لئے) میں جس طرف بھی دیکھتا ہوں تیرا ہی چہرہ دیکھتا ہوں)

اور قاعدہ ہے کہ آئینہ شہود سے پوشیدہ ہو جاتا ہے ظاہر وہی صورت ہے اس لئے اُس وقت میں وحدتِ وجود کا حکم کرتا ہے اور کثرت مخفی و پوشیدہ ہو جاتی ہے اس وقت سالک کو چاہئے کہ شریعت کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور اپنے آپ کو تکلف کے ساتھ بندگی (شریعت) کے احکام پر (قائم) رکھے، باطن کے ساتھ وحدت میں فنا رہے اور ظاہر میں احکامِ شرعیہ کے ساتھ آراستہ رہے، ع

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند (یعنیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو عنایت فرماتے ہیں)

جب سکر سے صحو میں آجائے اور جمع سے فرق کی طرف مائل ہو جائے تو اس وقت اسلامِ حقیقی کے ساتھ مشرف ہو جاتا ہے اور دعوت و ارشاد کے لائق بن جاتا ہے۔

مکتوب ۶۵

نیز شرف الدین حسین لاہوری کے نام بلند ہمتی کے بارے میں اور جو کچھ مشہود ہو اس کی طرف

التفات نہ کرنے اور اس کے مناسب بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور ارسالِ تسلیمات کے بعد عرض ہے کہ آپ نے جو مکتوب مرغوب حافظ محمد ضیا کے ہمراہ ارسال کیا تھا موصول ہو کر مسرت کا باعث ہوا، آپ نے لکھا تھا کہ "جو کچھ دید و دانش تھا سب کو وہم و خیال پایا اور جو کچھ یافت و بینش رکھتا تھا سب کو نقص دیکھا الخ" اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے کہ آپ صراطِ مستقیم کی ہدایت پا گئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی شاہراہ پر آ گئے ہیں، ایک بزرگ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، عرض کیا یا رسول اللہ! توحید کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جب بھی تیرے دل میں کوئی تصور آئے یا تیرے خیال میں کوئی بات آئے تو اللہ سبحانہٗ اس سے ماوراء ہے، ہمت کو بلند رکھیں اور جو کچھ اس راستہ میں حاصل ہو (اس پر) قناعت نہ کریں، اس راستہ کا ہر خس و خاشاک انی انا اللہ [بیشک میں ہی اللہ ہوں] کی صدا لگاتا ہے اور سالک بیچارہ کو اپنی پرستش کی طرف بلاتا ہے کوئی ایسا بلند پرواز شاہباز چاہیے جو نگاہ کی کجی میں مبتلا نہ ہو اور لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔ [میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں کرتا] کا ترانہ گاتا ہو اور آیت کریمہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ
۶/۷۹ الْاَرْضَ حَنِیْفًا الآیۃ [بیشک میں نے اپنا منہ کسی کو شریک کیے بغیر خالص اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین
۵۳/۱۷ کو پیدا کیا] کو اپنا پیشوا بنائے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی [اس کی آنکھ نے نہ کجی کی اور نہ وہ حد سے آگے بڑھی] حبیب کی صفت ہے اور لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ [میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا] خلیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کا مقولہ ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ تمہاری اور اس تعالیٰ شانہٗ کی محبت میں فرق نہیں دیکھتا ؎

بنشینم و با غمِ تو سازم　　　پنہاں ز تو با تو عشق بازم الخ"

[میں بیٹھ جاتا ہوں اور تیرے غم کے ساتھ موافقت کرتا ہوں تجھ سے پوشیدہ و بے خبر ہوں (اور) تیرے ساتھ محبت کرتا ہوں]

بیشک حق جل و علا کی محبت ہے جو کہ پیر و مرشد کے واسطے سے متعلق ہے، حدیث شریف من احبھم فبحبی احبھم [جس نے اُن سے محبت کی تو اُس نے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی] اس معنی کی شاہد ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

یک نغمہ نشستہ در دو پردہ　　　یک نشأۃ دو جا ظہور کردہ

[ایک نغمہ (راگ) دو پردوں (سُروں) میں جاگزیں ہے ایک وجود نے دو جگہ ظہور کیا ہے]

منہ آپ نے جو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور لکھا ہے اس کے مطالعہ نے بہت خوشوقت کیا، حق سبحانہٗ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کمالاتِ خاصہ سے بہرہ مند فرمائے۔

مکتوب ۶۶

شیخ عرب بخاری کے نام نصیحت کے بارے میں اور واقعات کے جواب میں تحریر فرمایا۔

میرے برادرِ عزیز شیخ عرب اس خستہ دل درویش کا سلام عافیت انجام پڑھیں، آپ کے ارسال کیے ہوئے مکتوب نے موصول ہو کر خوش وقت کیا، اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے کہ آپ ظاہری عافیت و باطنی جمعیت کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ ترقیات نصیب فرمائے اور بیش از بیش عطا کرے ومن استوی یوماہ فہو مغبون (جس شخص کے دو دن یکساں گذرے (یعنی اس نے ترقی نہ کی) تو وہ خسارے میں ہے) بہترین اوقات (جوانی کے اوقات) کو عبادات کے معمولات میں صرف کریں اس قلیل فرصت میں باطن کی تعمیر و تنویر میں مشغول رہیں، افسوس در افسوس ظاہر کی تعمیر باطن کی تخریب کا سبب ہے اور اسی طرح اس کے برعکس ہے (یعنی ظاہر کی تخریب باطن کی تعمیر کا سبب ہے) اور ہم ہوس پرست ظاہر کی تعمیر کے درپے ہیں پس ہمیں باطن کی کیا خبر ہوگی۔ حدیث شریف میں آیا ہے فانی بعثت لخراب الدنیا ولم ابعث لعمارتہا (پس بیشک میں دنیا (حق تعالیٰ سے ہٹانے والی چیزوں) کی بربادی کے لئے بھیجا گیا ہوں اور اس کی تعمیر کے لئے نہیں بھیجا گیا) - آپ نے لکھا تھا کہ "پنجوقتہ نمازوں کے دوران عجیب کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور نیستی (فنائیت) کا دیکھنا دوام کے طور پر ہے بالخصوص ذکر و مراقبہ کے وقت نہ وجود کا کوئی اثر نظر میں آتا ہے اور نہ عدم کا کسی امر کا ارادہ دل میں نہیں آتا" میرے مخدوم! یہ احوال سنجیدہ و پسندیدہ ہیں جو حالت کہ نماز ادا کرتے وقت ظاہر ہوتی ہے بہت ہی عمدہ ہے اور اس کی کیفیات انتہا کی خبر دینے والی ہیں۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۶۷

صلاح آثار حافظ محمد محسن کے نام ان کے حال کی شرح میں مع ان احادیث کے بیان کے جن میں نماز و وضو و تلاوتِ قرآن مجید کے فضائل وارد ہوئے ہیں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوات کے بعد عرض ہے آپ کا مکتوب مرغوب جو کہ آپ نے محبت کی وجہ سے اس مسکین کے نام ارسال کیا تھا اس کے صادر ہونے سے شادمان و مسرور ہوا چونکہ

ص ۱۱۱ اعلیٰ احوال اور بلند کیفیات پر مشتمل تھا مسرت میں اضافہ کیا۔ آپ نے لکھا تھا کہ "اس سے پہلے جبکہ معاملہ فنا و بقا سے وابستہ تھا عجیب و غریب احوال و اذواق رونما ہوتے تھے اور نادر قسم کے حالات و واردات ظاہر ہوتے تھے، اب جبکہ معاملہ جہل تک پہنچ گیا ہے عجز و انکسار کے سوا کچھ نہیں رہا اور جو عمل بھی واقع ہوتا ہے اس کو ردّ و دفع کے لائق جانتا ہے اور اپنے آپ کو کسی وجہ سے بھی اس بارگاہِ مقدس کے لائق نہیں پاتا اور خالق و مخلوق ہونے کی نسبت کے سوا نہیں جانتا۔" آپ جان لیں کہ جبتک سالک کا معاملہ اصول اور اصولِ اصول میں ہے الیٰ ماشاء اللہ تعالیٰ۔ (اسوقت تک) فنا و بقا و اصالت و ظلیت و مرآتیت (آئینہ بننا) وغیرہ متصور ہے اور اشواق و اذواق، لذات و کیفیات، وصل و اتصال موجود و ثابت ہے اور جب معاملہ اصول سے اوپر جاتا ہے اور اصل ظل کی طرح راہ میں رہ جاتی ہے اور کمالاتِ نبوت پر تو ڈالتے ہیں اور تمیز جاتی رہتی ہے تو جہل و نادانی ظاہر ہوتی ہے اور حیرت و تجرد بڑھ جاتا ہے، شوق و ذوق راہ میں رہ جاتا ہے اور وصل و اتصال کا خیال سر سے نکل جاتا ہے اور اتحاد و ظلیت و مرآتیت کی نسبت پوشیدہ ہو جاتی ہے خالص خالقیت و مخلوقیت کی نسبت جلوہ گر ہوتی ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "کبھی کبھی ایک نسبت وارد ہوتی ہے اور نورِ صرف ظاہر ہوتا ہے اور اپنے آپ کو اس نور میں مضمحل (فنا) اور لاشئے پاتا ہے اور اس وقت اپنے آپ سے کوئی نام و نشان نہیں سمجھتا اور اس مرتبہ پر نور کا اطلاق اس کی حقیقت کو نہ پانے کی وجہ سے ہے ورنہ وہ ایک ایسا امر ہے جو احاطۂ تحریر و تقریر سے باہر ہے اور اس کو کسی چیز کے ساتھ تعبیر نہیں کرسکتا اور اس مرتبۂ مقدسہ سے عجز و حیرت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے۔" میرے مخدوم! ہمارے حضرتِ عالی قدس اللہ سبحانہٗ سرہٗ نے مراتبِ تعینات کے اوپر ایک مرتبہ تحریر فرمایا ہے اور اس کو نورِ صرف سے تعبیر کیا ہے اور اس کو حقیقتِ کعبہ فرمایا ہے۔ جو کچھ آپ نے لکھا اور پایا ہے اگر وہی حقیقت ہے جو کہ حضرت عالی (قدس سرہٗ) نے فرمائی ہے تو بہت بڑی سعادت ہے فطوبیٰ لک و بشریٰ [پس آپ کے لئے خوشی و بشارت ہے] اور اگر اس حقیقت کے ظلال میں سے کوئی ظل تھا تو بھی غنیمت ہے مختصر یہ ہے کہ اس نسبت کے اصل داخل ہونے کی وجہ سے جو کچھ ہے کبریتِ احمر (سرخ گندھک یعنی نادر) ہے۔ یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ اکثر اوقات یہ نسبت نماز میں وارد ہوتی ہے خاص طور پر اس فرض نماز میں جو کہ جماعت سے ادا کرتا ہے اور (نماز سے) فارغ ہونے کے بعد جبتک نماز کی جگہ میں پابند بیٹھا رہتا ہے وہ حالت بھی باقی رہتی ہے اس کے بعد پوشیدہ ہو جاتی ہے۔" میرے مخدوم! نماز جو کہ مومن کی معراج ہے اصل کے ظہور کا مقام اور حالتِ معراجیہ کا نمونہ ہے۔ حدیث الساجد یسجد علیٰ قدمی اللہ فلیسأل و لیرغب [سجدہ کرنے والا

اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں پر سجدہ کرتا ہے پس اس کی طلب و شوق کرنا چاہئے (آپ نے سُنا ہوگا اور نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ کی کوئی حالت اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے کہ وہ ۱۱۲
(اللہ تعالیٰ) اُس (بندہ) کو اپنا چہرہ خاک آلود کرکے سجدہ کرتے ہوئے دیکھے۔ اور نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ اپنی نماز میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس اُس (بندہ) سے رُخ نہیں پھیرتا یہاں تک کہ وہ بندہ اپنا رُخ پھیر لے یا کوئی بُری بات کہے۔ پھر فرض نمازوں کی خصوصیت تو علیحدہ ہے اور جماعت نورٌ علیٰ نور ہے۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے بیشک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے لئے جو اندھیروں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں قیامت کے روز ایک بلند نور کے ساتھ روشنی کرے گا۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اندھیروں میں مساجد کی طرف چلنے والے وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہونے والے ہیں۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی بندہ جماعت میں نماز پڑھتا ہے پھر وہ کسی حاجت کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ غیرت کرتا ہے کہ وہ (بے مراد) واپس لوٹے یہاں تک کہ اس کی حاجت پوری کر دیتا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک نماز کے برابر ہے اور محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازوں کے برابر ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانسو نمازوں کی برابر ہے اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھنا پانچ ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری اس مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے ان پانچ نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے پر محافظت کی وہ پل صراط پر سے چمکنے والی بجلی کی مانند گذرنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کا حشر سابقین کے پہلے گروہ میں فرمائے گا اور ہر روز و شب میں ان نمازوں پر محافظت کرنے والے کے لئے ایسے ہزار شہید کی مانند اجر ہوگا جو اللہ کے راستہ میں قتل کئے گئے ہوں۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے جو شخص وضو کرتا ہے پس اچھی طرح وضو کرتا ہے اور اس کو پوری طرح کرتا ہے پھر وہ مسجد میں آتا ہے اس کا مقصد نماز کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو خوشخبری دیتا ہے جیسا کہ ان لوگوں کو جن کا کوئی آدمی گم ہو گیا ہو اپنے غائب کے آجانے سے خوشی ہوتی ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "جو ترقی کہ قرآن مجید کی تلاوت میں مفہوم ہوتی ہے (ایسی ترقی) دوسری چیزوں میں کم ہے خاص طور پر وہ تلاوت جو کہ نماز میں طویل قیام کے اندر کی جاتی ہے"۔ بیشک جب معاملہ اصول سے اوپر چلا جاتا ہے اور تیز جاتی رہتی ہے تو اس مقام میں ترقی قرآن مجید کی تلاوت

اور نماز کے ساتھ ہوتی ہے، کلام صفتِ حقیقیہ ہے اور اپنے موصوف سے کسی قسم کی علیحدگی وجدائی نہیں رکھتی اور اس کے ساتھ مل جانا اور اس کو اختیار کرنا اس کے موصوف کے ساتھ کمال تقرب کا سبب ہے، حدیث شریف میں آیا ہے اَھْلُ الْقُرْاٰنِ اَھْلُ اللّٰہِ وَخَاصَّتُہٗ (اہلِ قرآن اہل اللہ اور اس کے خاص بندے ہیں) ہو سکتا ہے کہ اہلِ قرآن سے مراد یہی لوگ ہوں جو کہ اس درجہ تک پہنچے ہیں اور اصول سے گذر چکے اور فنا وبقا کی حقیقت کے ساتھ پاک (غیر اللہ سے خالی) ہوگئے ہوں اور بندہ جب تک ماسوائے اس طرح پاک و مطہر ہو جائے اہلِ قرآن اور اس کی تلاوت کے لائق نہیں ہوتا جو ص۱۱۳ تلاوت کہ اس حالت سے پہلے واقع ہوتی ہے ابرار کے اعمال میں داخل ہے نہ کہ مقربین کے اعمال میں، اس مقام میں کلمۂ طیبہ کا تکرار فائدہ دینے اور ترقی بخشنے والا ہے، اور جب اس کلمۂ مبارکہ کی برکت سے باطن کی طہارت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے، آیتِ کریمہ لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ[1] (اس کو پاکیزہ لوگ ہی چھوتے ہیں) اس معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے، یعنی قرآن کو وہی لوگ پڑھتے ہیں جو (ماسوا کے) تعلقات کی میل کچیل سے پاک ہو چکے ہیں، قرآنِ کریم کی قرات کو مبالغہ کے طور پر چھونے سے تعبیر کیا۔ حدیث شریف میں آیا ہے، آگاہ رہو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف اشتیاق رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ اللہ کا کلام سنا کرے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے رب سے بات کرے تو اس کو قرآن پڑھنا چاہیئے۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے قرآن کے حاملین (اٹھانے والے) اولیاء اللہ ہیں، پس جس نے ان سے دشمنی کی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی اور جس نے اُن سے دوستی کی تو بیشک اس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی۔ اور نیز حدیث شریف میں ہے، اللہ عزوجل (قرآن مجید کی) جس آیت کو بھی نازل فرماتا ہے اس کا ظاہر و باطن ہوتا ہے اور ہر حرف کے لئے حد ہے اور ہر حد کے لئے مطلع[2] ہے۔ والسلام

مکتوب ۶۸

شیخ غازی کے نام اس بیان میں کہ رویتِ قلبی دنیا میں واقع ہے یا نہیں اور سلطان العارفین کے اس کلام کی حقیقت کے بیان میں تحریر فرمایا کہ "جس جگہ سالک ستر سال میں نہیں پہنچتا سلطانِ خیال ایک لمحہ میں پہنچا دیتا ہے"

---

[1] پ ۲۷ اس آیت کی مزید تشریح مکتوبات امام ربانی قدس سرہ جلد سوم کے مکتوب ۴۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔
[2] اس حدیث کی شرح مکتوبات امام ربانی قدس سرہ دفتر سوم مکتوب ۱۱۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، برادر عزیز شیخ غازی نے چند سوال کے تھے اُن کے جواب میں چند سطریں لکھی جاتی ہیں واللہ الهادی الی سبیل الرشاد [اللہ تعالیٰ سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے] آپ جان لیں کہ متاخرین صوفیائے کرام دنیا میں مشاہدہ کے وقوع کے قائل ہیں جو کہ رویتِ قلبی سے عبارت ہے اور اس عالمِ فانی میں اسے تسلیم کرتے ہیں اور (اس کا) وقوع مانتے ہیں، اور صاحبِ تعرف فرماتے ہیں "اور اس بات پر اجماع ہے کہ اُس تعالیٰ شانہٗ کو دنیا میں نہ آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے اور نہ قلب سے"۔ شاید کہ اس اجماع سے مراد صوفیائے متقدمین کا اجماع ہے پس صوفیائے متقدمین دنیا میں رویتِ قلبی کے قائل نہیں ہیں اور ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ بسرہ کا مذہب بھی اس اجماع کے موافق ہے اس معنی میں کہ مشاہدہ ذاتِ حق جل وعلا کا نہیں ہے کہ وہ آخرت کی رویت سے متعلق ہے بلکہ ظلال میں سے کسی ظل کے مشاہدے سے تعلق رکھتا ہے کہ جس کے ساتھ گرفتاری غیر کے ساتھ گرفتاری ہے، ذاتِ عزّ برہانہٗ کا طالب اس میں پھنسا نہیں رہتا اور بالذات بے چونی کی طرف ہی نہیں آتا، اور یہ جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا جو کچھ کہ دیکھا سنا اور جانا گیا ہے وہ سب غیر ہے کلمہ لا کی حقیقت کے ساتھ اس کی نفی کرنی چاہیے" یہ بھی اس اجماع کے مطابق ہے اور اس کی تائید کرنے والا وہ واقعہ بھی ہے جو نفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی بزرگ نے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، عرض کیا یا رسول اللہ! توحید کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جب بھی تیرے دل میں کوئی تصور آئے یا تیرے خیال میں کوئی بات آئے تو اللہ تعالیٰ اس سے ماوراء ہے" اور بعض اکابر سے مشاہدہ کے اثبات میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے کہاں سے (ثابت) ہے کہ ان کو اس مقام سے ترقی واقع نہیں ہوئی ہے اور وہ آخر تک اس مشاہدہ میں رُکے رہے ہیں۔ ص۱۱۲

آپ نے لکھا تھا کہ "ایک روز اس فقیر کو الہام ہوا کہ اگر تو تجرید صفت (رہنا) چاہتا ہے تو اپنے آپ میں مشغول ہو جا۔ اپنے آپ میں مشغول ہونا کیا چیز ہے؟ اور تجرید صفت کس معنی میں ہے؟ میرے مخدوم! ہو سکتا ہے کہ اپنے آپ میں مشغول ہونے سے مراد سیرِ انفسی ہو جس کو جذبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سلوک سیرِ آفاقی ہے یعنی تو سلوک سے جذبہ میں آجا اور آفاق سے انفس میں داخل ہو جا کیونکہ یافت (پانا) اپنے سے خارج میں نہیں ہے ؎

همچو نابینا مبر ہر سوئے دست | با تو در زیرِ گلیم است ہر چہ ہست

[تو اندھے کی مانند ہر طرف ہاتھ نہ پھیلا جو کچھ ہے وہ تیرے ساتھ ہی کپڑے کے نیچے ہے]

اور یہ سیرِ انفسی ولایت کے طریقوں میں نہایت ہے اور تجرید صفت (سے مراد) اُن قدس سرہٗ کے کمالِ

ساتھ متصف ہوتا ہے جو کہ سیر انفسی ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ "سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ جس جگہ سالک کئی سال میں نہیں پہنچتا سلطانِ خیال ایک لمحہ میں پہنچا دیتا ہے اور آپ نے اس قول پر تعجب کیا کہ خیال کیا چیز ہے جو کسی شخص کو کسی جگہ پہنچائے اور اگر بالفرض وہ کوئی چیز سالک کے سامنے لائے تو وہ اس پر کس طرح اعتماد کرے۔ خواب و خیال کا کیا اعتبار ہے" میرے مخدوم! جو کچھ سلطان العارفین نے فرمایا ہے وہ حق ہے اس معنی میں کہ سلطان خیال کی مدد سے برسوں کا راستہ ایک لمحہ میں طے ہو جاتا ہے، غیب الغیب کا راستہ وہم (خیال) کی مدد سے طے ہوتا ہے اور بیچونی (بے کیفی) کے معاملات خیال کی مدد سے صورت پذیر ہوتے اور ادراک میں آجاتے ہیں۔ ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ سبحانہٗ بسرہٖ نے لکھا ہے کہ "اس راستہ کے طے کرنے کا مدار توہم و تخیل پر ہے، احوال و مواجید (کیفیات) جو کہ اس راستہ کے جزئی معانی ہیں وہم ہی کے ساتھ ادراک میں آتے ہیں اور سالکوں کی تجلیات و تلوینات خیال کے آئینے میں مشہود ہوتی ہیں پس اگر وہم نہ ہوتا تو فہم قاصر رہ جاتی اور اگر خیال نہ ہوتا تو حال پوشیدہ رہ جاتا، اس راستہ میں وہم و خیال سے زیادہ نفع دینے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی اور ان کا اکثر ادراک و انکشاف واقع کے مطابق ظاہر ہوا، وہم (خیال) ہی ہے جو کہ پچاس ہزار سال کی راہ کو جو کہ بندہ اور رب کے درمیان ہے اللہ تعالیٰ کے کرم سے تھوڑی مدت میں طے کرا دیتا ہے اور وصول کے درجات تک پہنچا دیتا ہے اور خیال ہی ہے جو کہ غیب الغیب کے دقائق و اسرار کو اپنے آئینہ میں منکشف کرتا ہے اور صاحبِ استعداد سالک کو مطلع کر دیتا ہے"۔ ص۱۱۵

یہ اُن (مجدد الفِ ثانی) قدس سرہٗ کا کلام ہے۔ والسلام

م مکتوب ۲۷۰ دفتر اول مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی

مکتوب ۶۹

محمد باقر فتح آبادی کے نام اس بیان میں تحریر فرمایا کہ عشقِ حقیقی موہبی ہے اور باطن کا حصہ ہے:

آپ نے لکھا تھا کہ حضرت حق سبحانہٗ کا عشق دیکھنے کے طور پر ہے یا جاننے کے طور پر" دیکھنے کے طور پر نہیں ہے کیونکہ دیدار کا آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے بلکہ سننے اور جاننے کے طور پر ہے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ۔۔۔ بسا کیں دولت از گفتار خیزد

[عشق صرف دیدار ہی سے پیدا نہیں ہوتا (بلکہ) اکثر یہ دولت گفتار سے بھی پیدا ہوتی ہے]

آپ نے لکھا تھا اگر جاننے کے طور پر ہے تو ہم خدائے تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے اس کو پہچانا ہے

جیسا کہ وہ اپنے اسماء و صفات کے ساتھ ہے پس کیا (سبب) ہے اور کیا مصیبت ہے کہ یہ سب کچھ جاننے اور پہچاننے کے باوجود ہماری طبیعت میں عشقِ مجازی کے برابر کامل بیقراری و بے آرامی پیدا نہیں ہوتی اور شوق کی آگ ہمارے دلوں میں نہیں بھڑکتی" (اس کا) جواب دو طرح پر ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ محض جاننا عشق و گرفتاری کا سبب نہیں ہے، اگر عشق میں محض جاننا کافی ہو تو تمام مؤمنوں کو شیدا و عاشق ہونا اور اپنے آپ سے اور اپنے ماسوائے آزاد ہونا چاہیے کہ (یہ) عشق کا لازمہ ہے بلکہ عشق و محبت حق جلّ وعلا کا عطیہ ہے جو کہ جاننے پر مرتّب (ہوتا) ہے اور عالم اسباب میں سلوک و ریاضت اور شیخِ مقتدا کی صحبت پر کہ جس نے سلوک و جذبہ کے مقامات کو طے کیا ہے موقوف ہے اور علم و معرفت کہ صوفیائے کرام جس سے ممتاز ہیں اس عشق و ولولہ کا نتیجہ ہے اور اس کا ثمرہ حق الیقین ہے جو کہ بقا کا مقام ہے (حدیث قدسی) من قتلتہ فانا دیتہ [جس کو میں قتل کرتا ہوں تو اس کا خونبہا میں خود ہوں] اس بات کی گواہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو عشق و محبت بیچونی سے تعلق رکھتا ہے وہ بے کیفی سے کچھ حصہ رکھتا ہے اور وہ باطن کا حصہ ہے کیونکہ جو سراسر چون (بمثل) ہے اُس کا ظاہر میں سرایت کرنا کمیاب ہے اور عشقِ مجازی جو کہ چون و چند سے تعلق رکھتا ہے ظاہر کا حصہ ۱۱۶ ہے اس لئے اس کے آثار یعنی بیقراری و بے آرامی و آہ و نعرہ اور لاغر و زرد ہو جانا ظاہر میں بہت زیادہ ہیں، عشقِ حقیقی کے برخلاف جو کہ بے کیف ہے اور یہ آثار اس میں بہت کم ہیں، اس کا اثر معشوق میں فنا ہونا اور ماسوائے آزاد ہو جانا ہے یہ عشق کی حقیقت ہے اور وہ عشق کی صورت ہے، لوگوں نے شبلی (قدس سرہ) سے کہا کہ آپ محبت کا دعوی کرتے ہیں اور حالانکہ فربہی اس کے منافی ہے، (حضرت) شبلی نے فرمایا ؎

احب قلبی وما دری بدنی ولو دری ما اقام فی السمن

[میرے دل نے محبت کی اور میرا بدن بے خبر ہے اور اگر وہ جانتا تو فربہ نہ رہتا]

مختصر یہ ہے کہ عشقِ مجازی میں چونکہ عاشق و معشوق کے درمیان ظاہری مناسبت موجود ہے (اس لئے) اس کے آثار ظاہر میں زیادہ نمایاں ہیں اور عشقِ حقیقی میں چونکہ یہ مناسبت مفقود ہے (اس لئے) اس کا اثر ظاہر میں بہت کم پایا جاتا ہے اور فنا و بقا تک جو کہ باطن کی صفات میں سے ہے پہنچاتا ہے بیشک ظلال کے مقامات میں اصالت و ظلیت کی مناسبت محب اور محبوب کے درمیان موجود ہے (پس) اگر اس کے آثار ظاہر ہوں اگرچہ اجمالاً ہوں تو گنجائش رکھتا ہے اور نالہ و فغاں وغیرہ واقع ہوتا ہے، جب معاملہ ظلال سے اوپر چلا جاتا ہے بلکہ اصل بھی ظل کی مانند راستہ میں رہ جاتی ہے اور معاملہ غیب الغیب سے پڑتا ہے تو محبت کی سوزش و بے چینی بہت کم ہو جاتی ہے اس لئے کمالاتِ نبوت

ہیں محبت کے معنی ارادۂ طاعت کے ہیں نہ کہ اس کے علاوہ کچھ اور کہ جو بے چینی کا باعث ہو، یہ محبت اس کی محبت کی مانند ہے جو کہ ہر شخص کو اپنی ذات کے ساتھ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ نازک ہے کیونکہ وہ تعالیٰ شانہٗ بندہ کے اس کی ذات سے بھی زیادہ قریب ہے اور (اس میں) کوئی شک نہیں ہے کہ اپنے سے زیادہ محبوب کوئی نہیں ہے الا ماشاءاللہ تعالیٰ [مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے] اور کوئی بے چینی اس محبت میں ثابت نہیں ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "حق جل وعلا کی عبادت کی توفیق میں اپنے آپ کو بہت قاصر و عاجز پاتا ہوں اور آخرت کے کاموں کو سرانجام دینے کی قدرت اپنے اندر بہت کم دیکھتا ہے ناچار اپنی بیماری کا علاج طلب کرتا ہے" میرے مخدوم! آپ نے جو کچھ لکھا ہے فقیر کی زبان سے لکھا ہے، یہ فقیر اپنی بے توفیقیوں کا کیا اظہار کرے اس ناکارہ سے علاج طلب کرنے کی جستجو عاریتی مالک سے مستعار مانگنے اور محتاج فقیر سے سوال کرنے کی مانند ہے، مرض الاطباء (طبیب خود ہی بیمار ہیں) اس جگہ صادق آتا ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور آپ حضرات کو اپنی خوشنودیوں کے حصول کی توفیق عطا فرمائے اور کمال کے مراتب کی طرف ہدایت نصیب کرے۔

مکتوب ۷

میر عبدالرحمٰن کے نام حقیقتِ جامعہ و مضغۂ قلبیہ و وجوہِ اشتراک کے بیان میں تحریر فرمایا۔

۱۱۷ حامداً للہ العظیم ومصلیاً علیٰ رسولہ الکریم۔ اللہ تعالیٰ فیوض کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے گرامی نامہ جو آپ نے اس ناکارہ کے نام ارسال کیا تھا اس کے وارد ہونے سے مشرف و مسرور ہوا، آپ نے طلب کے درد اور مطلب کے شوق کا اظہار کیا تھا، حق سبحانہٗ اس درد کو اور زیادہ کرے اور شوق کی چنگاری کو اور بھڑکائے یہاں تک کہ ماسویٰ سے بالکل رہا کر دے اور علمی و حُبّی تعلقات کو اس کے ساتھ بالکل جلا دے اور فنا و نیستی تک پہنچا دے ؎

ہیچ کس را تا نگردد اُو فنا　　　نیست رہ در بارگاہِ کبریا

[جب تک کوئی شخص فنا نہ ہو جائے اس کیلئے بارگاہِ الٰہی میں باریابی نہیں ہے]

میرے مخدوم! کبھی (لفظ) قلب بولتے ہیں اور (اس سے) قلب کی حقیقتِ جامعہ مراد لیتے ہیں جو کہ عالمِ امر سے ہے اور ذکر و تاثر و التذاذ و سکر و فنا و استہلاک جو کہ یکے بعد دیگرے آتے ہیں (یہ سب) اس کا کام ہے، اور کبھی (یہ لفظ) بولتے ہیں اور (اس سے) وہ مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) کہ عالمِ خلق سے ہے مراد لیتے ہیں جو بائیں پہلو میں واقع ہے اور قلب کی حقیقتِ جامعہ کو اس مضغہ کے ساتھ خاص تعلق ہے کہ گویا اس کا

آشیانہ و مسکن اور ٹھکانا ہے اور ایک قسم کا اتحاد ان کے درمیان موجود ہوگیا ہے کہ امتیاز گویا مفقود ہوگیا ہے اور بعض احکام میں شرکت حاصل ہوگئی ہے اور حقیقتِ جامعہ کے ذکر سے مضغہ میں بھی حرکت پیدا ہوگئی ہے روح کی طرح جو کہ عالمِ امر سے ہے اور بیچونی سے کچھ حصہ رکھتی ہے۔ (اور وہ) بدن کے ساتھ عشق و محبت ہونے کی وجہ سے بدن میں فانی ہوگئی ہے اور بدن کے احکام کے ساتھ ہم رنگ و ہم صفت ہوگئی ہے اور بدن کے توسط سے سمیع و بصیر و متکلم ہوگئی ہے اور بدن کی لذت کے ساتھ لذت یاب اور اس کے غم کے ساتھ غم زدہ اور اس کی حرکت و سکون کے ساتھ متحرک و ساکن ہوگئی ہے، پس جو ذکرِ قلبی کہ مبتدی کو حاصل ہوتا ہے وہ حقیقتِ جامعہ کا ذکر ہے شروع میں اس کے وسیلہ و ہمسائیگی کی وجہ سے مضغہ (جسمانی دل) بھی ذاکر و متحرک ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ایک ذکر ہے جو کہ دونوں سے منسوب ہے اور ان کے اتصال و اتحاد اور عدمِ امتیاز کی وجہ سے ایک کا ذکر دوسرے کی طرف منسوب ہوگیا اور ایک کی حرکت کے ساتھ دوسرا متحرک ہوگیا۔ مولوی معنوی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے ؎

چونکہ او شد گوش و چشم و دست و پائے ... خیرہ ام در چشم بندیٔ خدائے

[چونکہ وہ کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں ہوگیا ہے (اس لئے) میں خدائے تعالیٰ کی نظر بندی میں حیرت زدہ ہوں]

جس وقت بندہ کو حق جل و علا کے ساتھ یہ دید حاصل ہو جاتی ہے اگر روح و قلب کو جو کہ بیچونی سے کچھ حصہ رکھتے ہیں یہ معاملہ پیش آجائے تو گنجائش ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ "ذکرِ معدہ جو کہ بعض اکابر کی عبارت میں آیا ہے کس معنی میں ہیں اور دل کا ذکر کونسا ہے اور ان دونوں (قسم کے) ذکر میں امتیاز کیا ہے؟"

میرے مخدوم! معدہ کا ایک مقام ہے اور دل کا مقام دوسرا ہے اور جو ذکر و حرکت کہ مقامِ معدہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ ذکرِ معدہ سے منسوب ہے اور جو ذکر کہ دل کے مقام سے ظاہر ہوتا ہے وہ دل کا ذکر ہے پس ان دونوں میں امتیاز مقام کے امتیاز سے ہے۔ ص ۱۱۸

مکتوب ۷۱

شیخ مظفر برہانپوری کے نام مع نصائح و مواعظ کے اس بارے میں تحریر فرمایا کہ فرع جو کچھ رکھتی ہے وہ سب اصل سے ہے حتیٰ کہ شوق و محبت بھی۔

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اللہ تعالیٰ فیوض کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے گرامی نامہ بہجت خوشی کا باعث ہوا۔ آپ نے ملاقات کے شوق کا اظہار کیا تھا اس طرف کے دوستوں کو بھی

مشتاق جانیں وانا الیھم لاشد شوقا [اور میں اُن کی طرف زیادہ شدید شوق والا ہوں] آپ نے سُنا ہوگا، عظمت واستغنائے ذاتی کے باوجود اشد شوق اُس طرف منسوب ہوا کیونکہ جو کچھ اصل کی طرف منسوب ہے اصالت وغلبہ رکھتا ہے فرع طفیلی ہے جو کچھ رکھتی ہے اصل سے رکھتی ہے (اور) کسی معاملہ میں اپنے ساتھ استقلال نہیں رکھتی، اس کا شوق ومحبت اُس جانب کے شوق ومحبت کا پرتو ہے اور اس عزّ برہانہٗ کے شوق کے بے انتہا سمندر کا ایک قطرہ ہے ؎

ادائے حقِ محبت عنایتیست ز دوست ‍ ‍ ‍ ‍ وگرنہ عاشقِ مسکیں بہیچ خورسنداست

[محبت کا حق ادا کرنا دوست کی طرف سے ایک عنایت ہے ورنہ مسکین عاشق کچھ نہ ہونے کے باوجود خوش ہے]

فرع کے شوق کو اصل کے شوق ومحبت کے ساتھ کیا نسبت اور کونسی مساوات ہے، اس کی محبت کا اثر ہے کہ بساطِ کائنات کو پردۂ عدم سے نکال کر اور وجود وایجاد کے سلسلہ کو حرکت دیکر اور غیب ہویّت کے پردہ والوں کو ظہور کے میدان میں لاکر اپنے کمال وجمال کا آئینہ بنایا، اس کی محبت کی کشش ہی ہے جو کہ بے پروبال محب کو تعلقات کے گرداب سے نکال کر عظمت وکبریائی کے سراپردوں میں پہنچاتی ہے اور پچاس ہزار سال کے راستہ کو تھوڑے عرصہ میں قطع کرا دیتی ہے ورنہ محب بیچارے کی سعی وکوشش سے کیا بنتا اور اس کی محبت سے کیا حاصل ہوتا ہے ؎

مرا گر توسنِ دل نیست درراہ ‍ ‍ ‍ ‍ کمندِ زلف اُو ہم نیست کوتاہ

[اگر میرے دل کا گھوڑا راستہ میں نہیں ہے (تو کیا ہوا) اس کی زلف کی کمند بھی تو کوتاہ نہیں ہے]

بات دوسری طرف چلی گئی۔ آپ نے نصیحتیں طلب کی تھیں، میرے مخدوم! سنت کی اتباع میں جان (ودل) کے ساتھ کوشش کریں، جزوی وکلی (امور) اور عادات وعبادات میں سرورِ دین ودنیا علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کو بہت بڑی سعادت جانیں اور برکات کا پھل اور بلند درجات کا نتیجہ دینے والا تصور کریں، محبوب کی مشابہت کرنے والے محبوب اور اس کی ص ۱۱۹
پیروی کرنے والے بہت پسندیدہ (ہوتے) ہیں، آیت کریمہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا] ع ۳ / ۳۱
اس معنی کی شاہد ہے، اوقات کو (ذکر سے) آباد رکھیں اور خلوت کی طرف راغب رہیں اور نماز کو طولِ قیام کے ساتھ ادا کریں اور اندھیری راتوں کو گریہ واستغفار کے ساتھ منور رکھیں، کلمہ طیبہ کی تکرار اسقدر کریں کہ تمام خواہشات سے خالی ہو جائیں اور حق جل وعلا کے ارادہ کے ساتھ قائم ہو جائیں اور وجود اور وجود کے تابع کمالات کی اپنے آپ سے نفی کریں یہاں تک کہ سب کی نفی ہو جائے اور ذاتی عدمیت رونما

ہو جائے اور (نفس) امارہ کی انانیت (سرکشی) جڑ سے اکھڑ جائے اور تمام کمالات اصل کی طرف لوٹ جائیں یہاں تک کہ ذکر و حضور بھی نہ رہے، ولا یذکر اللہ الا اللہ [اور اللہ ہی اللہ کو یاد کرتا ہے] درمیان میں آجائے جو واقعات کہ آپ نے دیکھے اور لکھے ہیں نیک و واضح ہیں اور خوشخبریاں ہیں۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۲

محمد سعید سہارنپوری کے نام بلند ہمت ہونے اور مشاہدات و مکاشفات کی طرف توجہ نہ کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

حامداً للہ العظیم و مصلیاً علیٰ رسولہ الکریم۔ اللہ تعالیٰ فیوض کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے، آپ کے مکتوباتِ گرامی یکے بعد دیگرے پہنچ کر مسرت بخش ہوئے، آپ نے ملاقات کے شوق اور جدائی کے درد کا اظہار کیا تھا امید ہے کہ اس شوق کی آگ سربلند ہوگی اور عشق کا شعلہ اور زیادہ بھڑکے گا تاکہ ماسوا سے پوری طرح رہائی دلائے اور اس تعالیٰ شانہٗ کے ماسوا کے ساتھ علمی و حبی تعلقات کو بالکل جلا دے اور موہوم ہستی جو کہ حقیقی نیستی (فنا) کے لئے حجاب ہے دور ہو جائے اور حقیقی فنا و تحقیقی نیستی ظاہر ہو جائے اور اس نیستی کے جال سے ہستی کو شکار کرے۔ میرے مخدوم! ہمارے بزرگوں کے طریقہ میں فائدہ پہنچانا اور فائدہ حاصل کرنا انعکاسی و انصباغی (عکس قبول کرنے اور رنگا جانے کے طور پر) ہے مریدِ صادق اس رابطہ محبت کی وجہ سے جو کہ وہ شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے ساعت بساعت اس کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور حضور و غیبت میں اس عشق کی کشش سے اس کے پوشیدہ معانی (اسرار) کو حاصل کر لیتا ہے خواہ وہ اس حقیقت کو جانے یا نہ جانے لیکن حضور و صحبت کی تاثیر زیادہ قوی ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "نفی و اثبات سے گزر کر (ایسا) معلوم ہوتا ہے کہ (معاملہ) مذکور کے مشاہدہ تک پہنچتا ہے" میرے مخدوم! اس قسم کے مکاشفات و تجلیات (اس) راستہ کے سالکوں کو پیش آتے ہیں انجام کار ان سب سے گزر جانا چاہئے اور جہل و حیرت میں آجانا چاہئے، بلند ہمت (کو چاہئے کہ) ان ظہورات پر فریفتہ نہ ہو جائے اور اس قسم کے مشاہدات کے ساتھ مطلب اعلیٰ سے رک نہ جائے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ "جو کچھ دیکھا، سنا اور جانا گیا ہے وہ سب غیر (ماسوی اللہ) ہے ۱۲۰ کلمۂ لا کی حقیقت کے ساتھ اس کی نفی کرنی چاہئے" جسقدر ہو سکے نفی و اثبات کا تکرار کرتے رہیں اور تمام مشہودات و تخیلات کو لا کے تحت میں لائیں اور جب آپ مغلوب ہو جائیں اور وہ غالب آجائے اور آپ کو اپنے آپ سے بیخود کر دے تو اور بات ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ "میں اس کو غیبت کہوں یا حضور یا

(یہ) شوق صورت اور ذوقی لذت ہے۔" چونکہ اس وقت میں ماسوٰی سے غیبت اور حق جل وعلا کا حضور ہے اور شوق کی صورت اور ذوق کی لذت اس غیبت وحضور میں لے آتی ہے (اس لئے) جو کچھ کہا گنجائش رکھتا ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ "اکثر اوقات سُکر لاحق ہے" اس انعام کا بھی شکر بجا لائیں اور ھَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (کیا اور ہے) کہتے ہوئے اس سے آگے کوشش کریں اور صحو و بندگی کا مقام تلاش کریں۔

مکتوب ۷۳

شیخ بایزید کے نام اس بیان میں تحریر فرمایا کہ باطنی احوال کا علم زائد خوبیوں میں سے ہے، نفسِ وصول میں اربابِ علم و اربابِ جہل برابر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فیوض کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے، مکتوب شریف نے پہنچکر خوش وقت کیا، آپ نے حرمان و یاس آمیز واردات لکھی تھیں کیا کیا جا سکتا ہے آپ (نسبت کے) علم سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں، آپ کا باطن اخذ کی ہوئی نسبت سے معمور ہے اور قرب کے درجات میں محوِ ناز ہے۔ ہمارے حضرت عالی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "نسبت جسقدر زیادہ بلند ہو جاتی ہے جہالت (عدمِ علم) سے زیادہ نزدیک ہو جاتی ہے۔" آپ غم نہ کھائیں اور ذکر و فکر میں ہمیشہ مشغول رہیں اور (ان کے ساتھ) نسبتِ باطن کو قوی کریں کیونکہ باطن کی ترقی اعمالِ ظاہر کے ساتھ وابستہ ہے، اربابِ علم و اربابِ جہل نفسِ وصول و قرب میں برابر ہیں فرق صرف وصول و قرب کے علم کے ہونے یا نہ ہونے کا ہے جو کہ زائد خوبیوں میں سے ہے اگر آپ کو (نسبت کا) علم کم ہے تو کسی دوسرے کے علم کو کافی جانیں اور خواب و خیال کے عدم اور استخارہ میں کسی امر کے ظاہر نہ ہونے سے غمزدہ نہ ہوں کیونکہ ولایت و قرب اس کے ساتھ وابستہ نہیں ہے اور ان میں سے کسی ایک کے نہ ہونے سے کمال میں نقصان نہیں آتا اور ہمت بلند رکھیں اور مقصدِ اعلیٰ میں لگ جائیں زائد خوبیاں اگرچہ نہ پائی جائیں ؎

تو مباش اصلا کمال این ست و بس رو در و گم شو وصال این ست و بس

(تو ہرگز نہ رہ، کمال یہی ہے اور بس۔ جا اس میں گم (فنا) ہو جا، وصال یہی ہے اور بس)

اور اگر آپ کام کی حقیقت کے متعلق پوچھتے ہیں (تو جواب یہ ہے کہ) تمام لوگ ذاتِ اقدس کے مرتبہ (تک ص ۱۲۱
رسائی) سے محرومی و جہل کے ساتھ موصوف ہیں اور اربابِ علم و جہل کو اس بلند بارگاہ (کی رسائی) سے مایوسی دامنگیر ہے علم و شہود اور تمام گفتگو ظلال کے مراتب اور صفات و افعال کے مراتب میں ہے

اور ذاتِ مقدس کے مرتبہ میں حیرت و جہل کے سوا کوئی چیز نہیں ہے اعرفھم باللہ اشدھم تحیرا فیہ [اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پہچاننے والا اُس (اللہ) کے بارے میں سب سے زیادہ حیرت میں ہے] ؎

ازیں خانہ آوازِ پائے نخاست ہمیں دستِ من حلقہ بر در شکست

[اس گھر سے کسی پاؤں کی آواز نہیں آئی، میرے ہی ہاتھ نے دروازے کی زنجیر توڑ دی] والسلام اولاً و آخراً

مکتوب ۴۲

نیز شیخ بایزید کے نام سفرِ حج اختیار کرنے کے بیان میں اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ تصوف کی حقیقت اضطراب و بیقراری ہے۔

اللہ تعالیٰ ماسوٰی کی گرفتاری سے آزاد کرے اور باطنی جذبات (کیفیات) کے ساتھ لذت اندوز و خوشوقت رکھے، گرامی نامہ پہنچ کر مسرت کا باعث ہوا، میرے مخدوم! ہم امید رکھتے ہیں کہ اس مہینے کے آخری دنوں میں جو کہ ماہِ ذی الحجہ ہے بائیس۲۲ سے انتیس۲۹ تاریخ تک کسی روز سرہند سے روانگی واقع ہو جائے اور سورت کی بندرگاہ سے کعبۂ مقصود تک پہنچنا حاصل ہو جائے۔ ع

تا دریا نہ خواستۂ کردگار چیست (دیکھئے اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا مرضی ہے)

اگرچہ محدود عقل عالمِ اسباب پر نظر کرنے کی پابند ہوتی ہے لیکن عشق کے راستہ میں عقل کی پابندی کی قدرے باہر آجانا چاہئے اور نگاہ اسباب پیدا کرنے والے (حق تعالیٰ) پر مرکوز کر دینی چاہئے کسی نے خوب کہا ہے ؎

دل اندر زلفِ لیلیٰ بند کار از عقلِ مجنوں کن کہ عاشق را زیاں دارد مقالاتِ خردمندی

[دل کو لیلیٰ کی زلف کا اسیر بنا اور مجنوں کی عقل سے کام کر کیونکہ عقلمندی کی باتیں کرنا عاشق کے لئے نقصان دہ ہے]

جو واقعہ کہ آپ نے دیکھا اور لکھا تھا نیک و واضح ہے حق سبحانہٗ متوقع امور کو قوت سے فعل میں لائے اور طلب میں ذوق و شوق عطا فرمائے تاکہ ماسوا سے رہا کر دے انہ قریب مجیب [بیشک وہ قریب ہے (اور) قبول کرنیوالا ہے] کسی بزرگ نے کہا ہے کہ تصوف اضطراب ہے جب سکون آگیا تو تصوف نہیں رہا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ (سالک کو) اس صفت کے ساتھ ہونا چاہئے جو کہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہے۔ حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَیْهِ الآیۃ [یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں (بھی) ان پر تنگ ہوگئیں اور انہوں نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے] ۹ ۱۱۸

دیگر یہ کہ ہم نے آپ کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کیا آپ کہاں زحمت اٹھائیں گے آپ ہمیں بھی خدائے جلّ وعلا کے سپرد کر دیں اور خاتمہ کی سلامتی کی دعا کے ساتھ یاد کرتے رہیں ؎

گر بماندیم زندہ بر دوزیم — دامنے کز فراق چاک شدہ ۱۲۲ھ
ور بمردیم عذرِ ما بپذیر — اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

[اگر ہم زندہ رہے تو اس دامن کو جو کہ جدائی سے پھٹ گیا ہے سی لیں گے اور اگر ہم مر گئے تو ہمارا عذر قبول کر کیونکہ بہت سی آرزوئیں ہیں جو خاک ہو گئی ہیں] والسلام اولاً و آخراً

مکتوب ۷۵

ایک اہلِ طریقت خاتون کے نام تعزیت و نصیحت کے بارے میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ و تبلیغِ دعوات کے بعد ہمشیرۂ عفیفہ محترمہ سے عرض کرتا ہے کہ خبرِ وحشت اثر سننے (کی) سے کیا لکھے کہ کس قدر غم و اندوہ پیدا ہوا لیکن چونکہ مولائے حقیقی جلّ شانہٗ کی تقدیر و ارادے سے ہے (اس لئے) صبر و شکیبائی کے بغیر چارہ نہیں ہے اور تسلیم و رضا کے سوا گذارہ نہیں ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ ۲ ۱۵۶
[بلاشبہ ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں] چونکہ آپ کی دنیا چلی گئی ہے حق سبحانہٗ آپ کو آخرت نصیب فرمائے اور اپنی محبت عطا فرمائے اور اپنے ساتھ آشنائی اور ماسوا سے رہائی نصیب کرے اوقات کو اُس تعالیٰ شانہٗ کی یاد کے ساتھ آباد رکھیں اور اموات کو دعا و فاتحہ کے ساتھ یاد کریں آجکل میں ہم بھی اُس جماعت کے ساتھ ملنے والے ہیں اور مال و اسباب سے جُدا ہو جائیں گے اور اولاد و اقارب کو رخصت کریں گے آخرت کا توشہ تیار کریں اور قبر و قیامت کو نصب العین بنائیں حق سبحانہٗ آپ کو اجرِ عظیم عنایت فرمائے اور ظاہر باطن کا اطمینان عطا فرمائے، انہ قریب مجیب [بیشک وہ قریب ہے (اور) قبول کرنے والا ہے]۔

مکتوب ۷۶

فضیلت مآب شیخ آدم کشمی کے نام اس بیان میں تحریر فرمایا کہ نماز میں صرف نماز کی تکمیل ہی کی کوشش کرنی چاہیے اور خاتم انبیاء علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے زمانہ میں قطبیت و قیومیت کا منصب آنسرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تھا۔

حامداً للہ العظیم و مصلیاً علیٰ رسولہ الکریم، اللہ تعالیٰ فیوض کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے
(آپ کے) گرامی نامے یکے بعد دیگرے پہنچکر مسرت کا باعث ہوئے۔ آپ نے لکھا تھا کہ "مقتدی امام کے پیچھے
ذکرِ نفی اثبات کے ساتھ مشغول ہو یا نہ ہو؟" میرے مخدوم! مقتدی و غیر مقتدی (سب) کو چاہیے کہ نماز میں
نماز کے ارکان کے ساتھ پابند رہے اس کے آداب و سنن میں کوشش کرے، ذکرِ نفی و اثبات کے لئے اوقات بہت ہیں۔
نماز کے اندر نماز کی تکمیل میں مشغول ہوں کہ (یہ) اعمال میں افضل اور مقربات میں اکمل ہے ہاں اگر حضورِ دل
و وقوفِ قلبی میں کوشش کریں تو مستحسن معلوم ہوتا ہے لاصلوٰۃ الا بحضور القلب [حضورِ قلب کے بغیر ۱۲۳
نماز نہیں ہے] وارد ہوا ہے ــــــ اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ "کسی عبارت میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبرِ خدا
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے وقت کے قطبِ ارشاد ہوئے ہیں، کیا اُس وقت میں قیومیت کی نسبت
کوئی رکھتا تھا؟ اگر آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام رکھتے تھے تو آپ کو قیوم ہونے کے باوجود قطبِ ارشاد
کیوں کہتے ہیں اور کونسا فائدہ اس میں ہے حالانکہ قطبیت کی نسبت قیومیت کی نسبت سے نیچے ہے۔" آپ
جان لیں کہ لفظ قطبِ ارشاد و مدار وغیرہ اہلِ شرع کی زبان میں وارد نہیں ہیں اور صوفیائے کرام کی
اصطلاحات و مکشوفات میں سے ہیں، اور نسبتِ قیومیت حضرتِ عالی (مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ)
کا مکشوف ہے، معلوم نہیں ہے کہ اُن حضرت عالی سے پہلے اولیاء اللہ میں سے کسی نے یہ بات کہی ہو اور
اس کے اسرار کے ساتھ متحقق ہوا ہو، صوفیہ کے مطابق ۔ ولایت کے طریقوں میں کمال الکمال قطبیتِ ارشاد
ہے جس کو بزرگوں نے آنسرور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ نسبت دی ہے۔ نسبتِ قیومیت جبکہ اُس زمانہ
میں ظاہر نہیں ہوئی تھی وہ حضرات کہاں سے (اس کا) اطلاق کرتے، اب جبکہ ظاہر ہو گئی ہے، ہم کہتے
ہیں کہ یہ نسبتِ عالیہ آنسرور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے زمانہ میں آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو
تفویض ہوئی تھی اور شایان نہیں ہے کہ نسبتِ قیومیت اس وقت میں آپ کے علاوہ کسی اور کے لئے ہو اور
کسی دوسرے سے منسوب ہو ــــــ اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ "میں مراقبہ میں بیٹھا ہوا تھا یہ
عبارت ظاہر ہوئی کہ تجلّیِ ذاتی اس سے عبارت ہے کہ متجلّیٰ لہٗ (جس کے لئے تجلی ظاہر ہوئی ہو) کو ہیچوئی
سے کچھ حصہ دیدیں۔" میرے مخدوم! جو کچھ ظاہر ہوا ہے بہت اعلیٰ ہے، آپ کی موجودہ حالت سے
وہ بلند معلوم ہوتا ہے بشارت ہے امیدوار رہیں ؎

اگر ایں لحظہ ممکن کارِ شب نیست   زبختِ مقبلاں ایں ہم عجب نیست

[اگرچہ اس وقت رات کا کام ممکن نہیں ہے لیکن اقبال مندوں کے نصیب سے یہ بھی عجب نہیں ہے]

والسّلام

مکتوب ۲۲

نیز فضائل مآب مخدوم آدم (ٹھٹھی) کے نام ان کے سوالوں کے جواب میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور ارسالِ تسلیمات کے بعد (عرض ہے) کہ آپ کا مکتوب شریف جو کہ دوستوں کی سلامتی اور ان کی دلجمعی کی خبر دینے والا تھا پہنچا اور اس سے خوشی و شادمانی حاصل ہوئی۔ آپ نے مجھ سے یہ دریافت کیا ہے کہ "جو شخص اموات کی ارواح کے لئے کلمۂ توحید ستر ہزار مرتبہ پڑھے کیا اس کے لئے ص ۱۲۴ جائز ہے کہ اس (کلمۂ توحید کے) تکرار سے اس کے ارادوں کی نفی ہو جائے اور اس کو وہ معنی جو صوفیہ نے مراد لئے ہیں (یعنی لا مقصود الا اللہ) ملحوظ ہوتے ہیں یا نہیں اور علماء کے نزدیک جو معنی مسلم ہیں (یعنی لا معبود الا اللہ) ان کے ملحوظ ہونے کی صورت میں ان دونوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟" میں کہتا ہوں کہ اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے بلکہ (اس سے) ارادوں کی نفی ہو جاتی ہے وہ قبولیت کے زیادہ قریب اور آفاتِ نفس سے زیادہ دور ہے اور اس (نفس) کی فنا میں زیادہ دخیل ہو جاتا ہے۔ کسی عارف نے کہا ہے کہ وجودِ بشریت کی نفی میں ایک ساعت کوشش کرنا تکلف کے ساتھ عبادت کرنے والوں کی کئی سال کی عبادت سے بہتر ہے، اور علماء اس معنی کی نفی نہیں کرتے بلکہ قریب ہے کہ وہ اس (معنی) کو پسند کریں اور وہ (علماء) اس معنی کی نفی کس طرح کریں گے (یعنی نہیں کریں گے) حالانکہ وہ معنی (وجودِ بشریت کی نفی میں کوشش کرنا) خلاصۂ عبادت و مقصودِ طاعت اور جہادِ اکبر کے لئے مستعمل اور حصولِ اخلاص کا ذریعہ ہے جو کہ شریعت کا تیسرا جزو ہے اور جو معنی علماء نے مراد لئے ہیں وہ صوفیہ نے بھی مراد لئے ہیں اور وہ (صوفیہ) مقصود و معبود دونوں کی نفی کرتے ہیں لیکن مقامات کے اختلاف کے ساتھ۔ ——— نیز آپ نے دریافت کیا ہے کہ "جو لوگ اپنے باپ دادا جو کہ مرشد (پیر) تھے کے مقلد و مرید ہیں بغیر اس کے کہ ان کے طریقہ پر چلیں ان کی جانشینی کی پگڑیاں[1] باندھتے ہیں کیا ان کے لئے اپنے بزرگ باپ دادا کی طرح اپنی خلوت میں مصافحہ کے ساتھ لوگوں کو مرید بنانا اور توبہ کی تلقین کرنا جائز ہے؟" پس ہم کہتے ہیں کہ ہمارے طریقہ میں مرید کرنا سیکھنے، سکھانے اور تکمیل کے ساتھ ہے، پس جو شخص کہ (خود) کامل نہیں ہے وہ دوسروں کی تکمیل کیسے کرے گا۔ جبکہ تکمیل کمال کی فرع ہے اور اس کو تقلیداً مرید بنانا کس طرح جائز ہوگا؟۔

---

[1] اس عربی مکتوب میں یہ لفظ المتعممین با عامہم چھپا ہوا ہے غالباً بعمامہم یا بعامہم صحیح ہوگا کیونکہ عمامہ کی جمع عمائم یا عمام آتی ہے ہم نے اسی لحاظ سے ترجمہ کیا ہے اور یہاں حاشیہ پر نسخہ المتعلمین با عمامہم درج ہے اس لحاظ سے ترجمہ یہ ہوگا: ان (باپ دادا) کے اعمال تصنع کے طور پر از خود سیکھتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے طریقہ پر چلیں۔ واللہ اعلم بالصواب (مترجم)

مکتوب ۷۸

شیخ بدر الدین کے نام طالبین کی طرف توجہ کرنے اور امراض و تکالیف کے دفعیہ اور اموات کے درجات کی ترقی کے لئے توجہ کرنے کی کیفیت اور مختلف اشغال کے درمیان ترتیب اور اس کے مناسب بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: اما بعد پس بیشک برادرِ اعزو اکرم صاحبِ کمالات واصلِ درجاتِ عالیہ، ہدایت کے سورج ہمیشہ اس پر طلوع کرتے رہیں اور اس کے افادہ کے انوار طالبوں پر چمکتے رہیں، آپ نے چند امور کے متعلق پوچھا ہے پس میں اپنی فہم و ادراک کے مطابق ان کے جوابات شروع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔ پس ذکر و شغل کے اقسام ماہ جیو کے (نام) مکتوب میں تفصیل کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں پس آپ اس سے استفادہ کریں، اور البتہ توجہ کی کیفیت ذکرِ اسمِ ذات تعالیٰ وغیرہ مختلف اشغال میں ایک ہی ہے اور اس بارے میں بہتر یہ ہے کہ توجہ کرنے والا شخص وحدانی التوجہ (یکجہت) ہو جائے اور جس امر کی طرف توجہ کرنی ہے اس کو اپنا مطمحِ نظر بنالے اور یہی طریقہ امراض و تکالیف کو دفع کرنے اور مراد کے پانے اور مقصد کے حاصل کرنے کے لئے توجہ کرنے میں ہے اور رہا ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف سالک کی ترقی میں توجہ کرنا تو (وہ یہ ہے کہ) مذکورہ طریقہ کے ساتھ اس کو اس مقام کی طرف کھینچے جو سالک چاہتا ہے اور اگر اس کی ترقی چاہے لیکن کوئی معین مقام ملحوظ نہ ہو تو اس کو اوپر (عروج) کی طرف کھینچے اور اسی طرح اموات کی طرف توجہ کرے اور اگر ان کی ترقی چاہے تو ان کو بھی اسی طرح (عروج کی جانب) کھینچے، اور البتہ (طالبین کی) صلاحیتوں کا پہچاننا اور یہ پہچاننا کہ ہر استعداد کو ذکر و شغل وغیرہ میں سے کونسی قسم کے ساتھ مناسبت ہے تو ان امور کا تفصیلی علم اور ان میں تمیز کرنا بلاشبہ صاحبِ علم ہی کی شان ہے جس کو کہ اپنے احوال اور اپنے مریدوں کے احوال کا تفصیل کے ساتھ علم دیا گیا ہو لیکن اجمالی علم والا اور (یا) جس کو کہ بالکل علم نہیں ہے تو اس کے حال کے مناسب اس طریقہ پر ذکر کی تعلیم دینا ہے جو اس نے اپنے شیخ سے سُنا ہے اور اپنے شیخ کے طریقوں سے سمجھا ہے اور ہمارا طریقہ اکثر حالات میں اسمِ ذات کو مقدم کرنا ہے، پس اگر طالب اس سے متاثر نہیں ہوتا تو ہم اس کو محض وقوفِ قلبی کا امر کرتے ہیں اور اس کی طرف توجہ کراتے ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اثر قبول کر لیتا ہے، پھر نفی و اثبات اور تمام اشغال (مراقبات وغیرہ) بتاتے ہیں، سالک کے اشغال (مراقبات) کا طریقہ سیکھنے کے بعد اس کو کہہ دیا جاتا ہے کہ تجھ کو ان (مراقبات) میں اختیار ہے پس جس شغل سے تجھ کو تفرقہ سے دوری

مکتوب ۱۱۶ دفتر دوم

۱۲۵

اور مجمعی سے نزدیکی حاصل ہوتی ہے تو اس میں مشغول ہو جا لیکن نفی و اثبات میں مشغول ہونا ترقی میں زیادہ دخل رکھتا ہے اور باطن کو منور کرنے اور تعلقات و حدیثِ نفس (خیالات و وساوس) سے رہائی دلانے کے زیادہ قریب ہے اور جب سالک پر حضور و استغراق غالب آجاتا ہے تو جب تک وہ اس حالت میں رہے اس کو اس کی حفاظت کرنے اور ذکر ترک کرنے کا امر کیا جاتا ہے، اور جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے شیخ و امام (حضرت مجدد الفِ ثانی) قدسنا اللہ بسرہ الاقدس نے اگرچہ اپنے کسی رسالہ میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ کو چاہئے کہ طالب کو ذکر و شغل کے طریقوں میں سے وہ طریقہ سکھائے جو اس کے حال کے مناسب اور اس کی استعداد و قابلیت کے لائق ہو لیکن آخری زمانہ میں اُن (قدس سرہ) کا طریقہ تمام طالبین کے لئے اسمِ ذات کی تعلیم کو مقدم کرنا تھا اُن کی صلاحیتوں کے اختلاف کے باوجود ان میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے الا ما شاء اللہ تعالیٰ، اور اس میں راز یہ تھا جو پہلے کسی مکتوب میں لکھا جا چکا ہے کہ آپ (قدس سرہ) کے ابتدائے حال میں آپ کی سیر اطوارِ ولایت میں تھی اس لئے کہ ولایت کا کمال جذبہ و سلوک کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ دونوں ولایت کے دو رکن ہیں ولایت ان دونوں کے بغیر متحقق نہیں ہوتی پس کمالاتِ ولایت میں شیخ کے لئے ضروری ہے کہ مرید کے حال کا لحاظ رکھے اور اس کو اس کی استعداد کے مناسب طریقہ سکھائے اور جو طریقہ اس کی استعداد کے خلاف ہو وہ نہ سکھائے اس کے لئے سلوک کو آسان کرے تاکہ اس کے کام میں خلل نہ پڑے مثلاً جب کسی کی استعداد جذبہ کے مناسب ہو تو اس کو وہ طریقہ سکھائے جو جذبہ کے مناسب ہو اور اگر وہ اس کو ایسا طریقہ سکھائے گا جو سلوک کے مناسب ہوگا تو اُس کے کام میں خلل واقع ہوگا اور دیر لگے گی یا سلوک میں دشواری پیش آئے گی اور شیخ و سالک ص ۱۲۶
(دونوں) کو اس (سالک) کے امر کی اصلاح میں مشقت اٹھانی پڑے گی۔ اور جب (حضرت عالی) قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ نے اطوارِ ولایت سے ترقی کی اور تبعیت و وراثت کے ذریعہ کمالاتِ نبوت تک پہنچے تو وہ جذبہ و سلوک کے دائرہ سے نکل گئے کیونکہ کمالاتِ نبوت ان دونوں (جذبہ و سلوک) سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ ان دونوں سے اوپر ہیں اور اس طریق میں سالک کی ترقی محض شیخ کی صحبت و محبت اور شریعتِ عالیہ و سنتِ نبویہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے اطوار کے اتباع کے ساتھ اس (شیخ) کے آداب کو ملحوظ رکھنے سے ہے، پس طالب اس شیخ کی صحبت میں بتدریج اپنی استعداد کے کمال تک بلکہ اپنے شیخ کے کمالات تک بھی پہنچ جاتا ہے اور شیخ کو اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ اس کو اس کی استعداد کے مناسب طریقے کی طرف رہنمائی کرے، اس وقت طالب کو ذکر کی تعلیم کرنا تسلی کے لئے ہے اور اگرچہ ذکر فی نفسہٖ مفید بھی ہے لیکن وصول کا مدار نہیں ہے، بیشک مدار (وصول) وہ صحبت ہے جو

صاحبِ صحبت میں فنا ہونے (یعنی فنافی الشیخ ہونے) کے ساتھ ہو جیسا کہ صدرِ اول (ابتدائے اسلام) میں تھا جبکہ صحابہ اور تابعین (رضی اللہ عنہم اجمعین) محض صحبت سے لا انتہا کمالات تک پہنچتے تھے، یہ بات تو یہاں ختم ہوئی۔ اور اس مکتوب کا مضمون لکھنے کے بعد دل میں خیال آیا کہ ماہ جیو کے نام والے مکتوب کو عربی میں ترجمہ کردوں اور اس میں دوسرے فوائد کا اضافہ کروں اور اس (اضافہ) کو اس مکتوب کا تتمہ بنا دوں کیونکہ وہ مکتوب فارسی زبان میں ہے اور اہل عرب اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں عربی کے علاوہ کسی اور زبان سے کم ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب میں نے اس مکتوب کو تلاش کیا تو میں نے اس کو عربی میں پایا جس کو کسی دوست نے عربی میں ترجمہ کر دیا ہے پس اس نے ہم کو عربی ترجمہ کرنے کی محنت سے بے نیاز کر دیا پس ہم اس کو کسی دوسرے پرچے میں ارسال کر رہے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ وہ آپ کے مطالعہ میں آجائے گا۔

مکتوب ۹

محمد بن محمد طیب مجاہد عامری تہامی کی جانب اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنے کے فضائل اور قلب کے ذکر کے ساتھ منور ہونے اور اس سے حدیثِ نفس کی نفی ہو جانے اور نفس کی فنا و بقا کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد، پس آپ کا مکتوب گرامی جو شوق و محبت کی خبر دینے والا ہے پہنچا ہے اور اسی طرح ہم بھی دوستوں کی ملاقات کی طرف شوق و رغبت رکھتے ہیں۔ الا طال شوق الابرار الی لقائی وانا الیھم لاشد شوقا [آگاہ رہو کہ ابرار کا شوق میری ملاقات کے لئے بہت بڑھ گیا ہے اور میں ان (کی ملاقات) کے لئے بہت زیادہ شوق رکھتا ہوں، حدیث قدسی]۔ آپ کا مکتوب اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے لئے آپس میں محبت کرنے والوں کے ذکر کے ساتھ حُبّ فی اللہ کو برانگیختہ کرنے والا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے چہروں میں کامیابی ہے اور ان کے لئے قیامت کے روز نور کے منبر رکھے جائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، کائنات کی کوئی چیز اس محبت کے برابر نہیں ہے پس محبت ہی کے ذریعہ قرب و معیت حاصل کی جاتی ہے اور محبت ہی کے ساتھ بارگاہِ صمدیت کے اسرار منکشف ہوتے ہیں
۱۲۷ محبت ہی سے فنا حاصل کی جاتی ہے اور محبت ہی سے بقا کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور محبت ہی سے مرید صادق اپنے شیخ (پیر) کے کمالات اور اس کے مخفی معانی کو اخذ کرتا ہے اور محبت ہی سے اس کے روشن انوار اور بلند اسرار کے ساتھ متحقق ہوتا ہے۔ (چاہیئے کہ) تو اس محبت کے سمندر میں ہمیشہ غوطہ زن اور شوق و وجد کے جذبات کے ساتھ رقص کناں رہے۔ پس اے بھائی! تجھ پر لازم ہے کہ ذکر و مراقبہ پر ہمیشگی کرے

یہاں تک کہ قلب ذکر سے منور ہو جائے اور حضور (اس کی) لازمی صفت ہو جائے جو اُس سے ہرگز کبھی زائل نہ ہو جیسا کہ سننا قوتِ سامعہ کے لئے اور دیکھنا قوتِ باصرہ کے لئے (لازمی صفت) ہے اور تجھ پر اذکار و مراقبات کی مدد سے باطن سے خطرات و حدیثِ نفس (وساوس) کی نفی کرنا لازم ہے یہاں تک کہ باطن کی کتاب سے ماسوائے رحمٰن (غیر اللہ) محو ہو جائے اور اس (اللہ تعالیٰ) کے ماسوا سب بھلا دیا ہو جائے گویا کہ نسیان (بھول) کی مکڑیوں نے اس پر جالے تن دیئے ہیں، اور تجھ پر کلمۂ نفی و اثبات کے ذریعہ مقاصد اور ارادوں کی نفی کرنا لازم ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے سوا تیرا کوئی مقصد نہ رہے اور اس (تعالیٰ شانہ) کی مراد و رضا طلب کرنے کے سوا اور کوئی مراد نہ رہے اور وجود کمالاتِ تابع وجود ہیں سے جو کچھ تیری طرف منسوب ہے اس کی نفی کرنے میں اس کلمہ طیبہ کی مدد سے کوشش کر یہاں تک کہ اُن کا تیری طرف منسوب ہونا جاتا رہے اور تو کمال و حُسن و جمال سب کو مِلکِ جبار صاحب حسن کمال (اللہ تعالیٰ) کی طرف راجع دیکھے اور تو اپنے نفس کو ان سب سے خالی اور ان کے لباس سے عاری دیکھے پس اس وقت ان کی حقیقت منکشف ہو جاتی اور ان کی ماہیت جلوہ گر ہوتی ہے کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور وجود و حیات اور تمام کمالات اس میں مرتبۂ وجوب تعالت سے مستفاد و مستعار ہیں پس عاریتی کمالات کا اپنی ذات کے لئے دعویٰ کرنا باطل ہے اور غیر سے عاریتاً لئے ہوئے کمال کے ساتھ اس (نفس) کے کامل ہونے کا خیال کرنا ایک فاسد تخیل ہے، کسی نے فارسی شعر میں کیا اچھا کہا ہے، رباعی

وصافیِ خود برغمِ حاسد تا کے — ترویجِ چنیں متاعِ کاسد تا کے

تو معدومی خیالِ ہستی از تو — فاسد باشد خیالِ فاسد تا کے

[تو حاسد کے خلاف مرضی اپنی تعریف کب تک کرتا رہے گا تو ایسی کھوٹی پونجی کو کب تک رواج دیتا رہے گا تو معدوم (نیست) ہے تیرا اپنی ہستی کا خیال کرنا فاسد ہے تو یہ خیالِ فاسد کب تک کرتا رہے گا] اور (نفس) اس دعویٰ و تخیلِ انانیت (خودی) کے ساتھ اپنے رب سے دشمنی اور اس کے کمالات میں شرک کرنے والا ہو جائے گا، حدیث شریف میں وارد ہوا ہے تو اپنے نفس کو دشمن سمجھ کیونکہ وہ میری دشمنی پر کمربستہ ہے۔ پس جب (نفس) کمالات کو صاحب کمالات کی طرف راجع اور اپنی ذات کو اُن (کمالات) سے خالی (اور) عدم کے ساتھ ملا ہوا دیکھے تو اُس وقت اُس کو فنا حاصل ہو جاتی ہے اور وہ شرکِ خفی اور مرضِ باطنی کے گرداب سے رہائی پا لیتا ہے پھر جب وہ فنا کے بعد بقا کے ساتھ متحقق اور عدم کے بعد وجودِ موہوب حقانی کے ساتھ موجود ہو جاتا اور مَن قتلتہ فانا دیتہ (جس کو میں قتل کرتا ہوں اس کا خونبہا میں ہوں) کے مطابق ولادتِ ثانیہ کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اسلام حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے اور اس کا نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے جس کے حق میں رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً [تو اس سے خوش ہے وہ تجھ سے خوش ہے] وارد ہوا ہے۔ والسلام اولاً و آخراً۔ سورہ ۸۹ / ۲۸

مکتوب ۸۰

۱۲۸

شیخ بایزید کے نام اُن کے وقعات کی تعبیر میں اور اس بیان میں کہ بشری تقاضے ظاہر سے دور نہیں ہوتے اور استغفار کے فضائل میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ مکتوب مرغوب پہنچکر باعث مسرت ہوا، چند واقعات جو آپ نے دیکھے اور تحریر فرمائے ہیں مطالعہ کئے، پہلا واقعہ بہت واضح ہے اور خوشخبری دلاتا ہے اس قسم کے بزرگوں کی امامت ایک بلند مرتبہ ہے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ [اور ہم کو متقیوں کا امام بنا] اور اسی طرح (یہ جو) فقیر آپ کو خطاب کرکے کہتا ہے کہ میں کچھ لوگوں کو طریقہ بتاتا ہوں اس سب کا مقصود تو ہی ہے اور اس سے میں تجھ کو چاہتا ہوں (یہ واقعہ) ایک بہت بڑی بشارت ہے (ہمارے) ساتھ کامل اتحاد اور استعداد کی جامعیت کی خبر دینے والا ہے، دوسرا واقعہ جو کہ (حضرت) غوث الاعظم کے طریقہ کی اجازت کو شامل ہے، سامنے موجود ہونے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جو کچھ وقت و استعداد کے مناسب ہے استخارہ کے بعد عمل میں لایا جائے تیسرا واقعہ مجمل ہے آپ نے اس کو تفصیل سے نہیں لکھا ہے مختصر یہ ہے کہ تینوں واقعات واضح ہیں رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہمارے نور کو کامل فرمادے اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے]۔

آپ نے لکھا تھا کہ "حکام وغیرہ کی جانب سے (جو) ظلم و تشدد پہنچتا ہے سب کو حق کی طرف سے جانتا ہے بلکہ اُس تعالیٰ شانہٗ کا فعل یقین کرتا ہے اس کے باوجود طبیعت اس سے رنجیدہ ہوتی ہے اور غم لاحق ہو جاتا ہے حیرت رونما ہوتی ہے شاید یہ دید وہمی ہے کیونکہ اگر کچھ حقیقت رکھتی ہوتی تو غم و غصہ کا باعث کیوں ہوتی"۔ میرے مخدوم یہ دید حقیقی ہے وہمی نہیں ہے لیکن بشریت کے لوازم بھی ہرگز منقطع نہیں ہو جاتے والقلب یحزن والعین تدمع وانا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون [دل غمگین ہوتا ہے اور آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور اے ابراہیم! بیشک ہم تیری جدائی میں غمگین ہیں] (یہ حدیث) آپ نے سُنی ہوگی، آخرت کا اجر اور باطن کی ترقیات اسی غم و اندوہ کے ساتھ وابستہ ہیں یہ دید اور حق جل و علا کے فعل سے فرحت و مسرت ہونا باطن کا کام ہے اور غم و اندوہ ظاہر سے وابستہ ہے جو باطن سے منزلوں دور ہے۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ [ہر شخص کے لئے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے پس نیک کاموں کی طرف سبقت کرو]۔ دیگر یہ کہ مصائب و شدائد کے دور کرنے کیلئے استغفار

(پڑھنا) نفع بخش و مجرب ہے۔ اس کو لازم پکڑنا چاہیے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے استغفار کو لازم پکڑا اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے استغفار کی کثرت کی اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا اور ہر غم سے کشادگی کا راستہ بنا دے گا اور وہ اس کو بے گمان جگہ ص ۱۲۹
سے رزق عطا فرمائے گا۔ یہ فقیر فرض نمازوں کے بعد ستر بار استغفار پڑھتا ہے اور حدیث شریف کے مطابق تین بار استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ۔ باقی استغفر اللہ استغفر اللہ۔ شیخ علی بن ابی بکر قدس سرہ نے معارج الہدایہ میں کہا ہے "اور ماثور و مشہور استغفار کی قسم میں سے جو ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم الحی القیوم الذی لا یموت و اتوب الیہ رب اغفرلی پچیس مرتبہ کہا وہ اپنے گھر اپنے اہل و عیال اپنے محلے اپنے شہر اور جس خطہ زمین میں وہ رہتا ہے ان میں کوئی ناپسندیدہ امر نہیں دیکھے گا پس اس استغفار پر صبح و شام مداومت کرنی چاہیے پس ہمارے مشائخ و علماء میں سے ایک جماعت آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تلقین کرتے تھے اور اپنے شاگردوں، اولادوں، خادموں اور اصحاب کو اس کی وصیت کرتے تھے اور اس پر مداومت و ہمیشگی کی ترغیب دلاتے تھے کیونکہ انھوں نے اس میں بہت زیادہ نفع اور بڑی برکت اور مصائب کا بہت زیادہ دفعیہ دیکھا ہے۔

مکتوب ۸۱

مولانا محمد حنیف کے نام مراقبات کو خاص طرز میں بیان کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ العلی الاعلی والصلوۃ والسلام علی رسولہ المصطفیٰ و علی الہ و صحبہ البررۃ التقی، مدت ہوئی کہ آپ نے اپنے ظاہری احوال اور باطنی کیفیات کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے (خدا کرے) مواقع خیریت والے ہوں، میرے مخدوم! ع

از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است [دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے]

بزرگوں نے کہا ہے کہ مراقبہ (سے مراد) بندہ کے بارے میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی دائمی اطلاع کا اور اس (بندہ) کو اس تعالیٰ شانہ، کے علم و حضور کا علم ہے، جاننا چاہیے کہ (مراقبہ کا) یہ مرتبہ چند پے در پے مراقبات کا مقتضی ہے۔ پہلا مراقبہ یہ ہے کہ جب سالک اس نسبتِ شریفہ کی مشق کے لئے تیار ہوتا ہے

اور اس مراقبہ کو اپنا نصب العین بنا لیتا ہے یہاں تک کہ سالک اس مراقبہ کے اثر میں آجاتا ہے اور یہ مراقبہ ملکہ (صفتِ راسخہ) کا رنگ اختیار کر لیتا ہے تو اس وقت اس تعلقِ علم کو اپنے شاملِ حال پاتا اور وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ محیط دیکھتا ہے اور اس کا ظاہر و باطن میں سرایت کرنا محسوس
پ ۶ ۵۶ کر لیتا ہے اور فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ [پس بیشک اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی غالب ہے] کے مصداق اس صفت کا زور اس کے وجود پر غالب آجاتا ہے اور اس کے بالمقابل سالک کا وجود ضعیف و ناچیز معلوم ہوتا ہے۔
ف ۱۳۰ دوسرا مراقبہ یہ ہے کہ اس تعلق سے غلبۂ محبت و کمال درجہ کی کشش کے باعث علم کی صفت میں آجائے اور جزئی (ظلی) علم سے کلی (اصلی) علم کی طرف مائل ہو جائے اور نمونہ سے حقیقت کی طرف بڑھے اور اس صفت کو بھی اس تعلق کی طرح وجود کے ذرات کو محیط اور ظاہر و باطن میں سرایت کیا ہوا دیکھے۔

تیسرا مراقبہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کی) بے حد عنایت سے اس صفت سے ترقی کر کے حضورِ ذاتی میں کہ جس مقام میں ذات عزبرہانہ خود بخود حاضر ہے عروج کرے اور صفت کی راہ سے موصوف تک جائے اور اس حضور میں گذر پانے کے بعد محو و فانی ہو جائے اور اپنے پُر نفرت حضور سے نکل کر اس حضور کے ساتھ جو سراسر نور ہے متحقق ہو جائے۔ دوستوں سے دعا کی امید ہے، والسلام

مکتوب ۸۲

حاجی نظام کولابی کے نام اختصار کے طور پر طریقے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی خصوصاً علٰی سید الورٰی صاحب قاب قوسین او ادنٰی وعلٰی الہٖ واصحابہ البررۃ التقی، برادرِ عزیز حاجی ابو تراب نے ان فقراء کے ساتھ اُس عزیز (آپ) کی محبت و اخلاص کا اظہار فرمایا اور باطنی تعلقات کو واضح کیا۔ میرے مخدوم! اس گروہ سے محبت کرنے والا اس گروہ کے ساتھ ہے اور ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہے المرء مع من احب [آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے] نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی حدیث ہے، جو طریقہ کہ آپ نے اخذ کیا ہے اس کی قدر کریں، اس پر اتنی مداومت کریں کہ یہ نسبتِ شریفہ دل کا ملکہ (صفتِ راسخہ) ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور اس کی صفتِ لازمہ بن جائے جو نفی کرنے سے نفی نہ ہو سکے جیسا کہ سننا قوتِ سامعہ کی صفت اور دیکھنا قوتِ باصرہ کی صفت ہے، اس کے بعد (اللہ تعالیٰ کی) بے انتہا عنایت سے دل کو مطلوبِ حقیقی کے ماسوا سے اس قدر بے تعلقی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کو ہرگز

یاد نہیں آتا حتی کہ اگر تکلف کے ساتھ ماسوا کو یاد کرنا چاہے تب بھی اس کو یاد نہیں آتا، اس نسیان کی وجہ سے جو کہ دل کو ماسوا سے حاصل ہو گیا ہے وہ نہ کسی خوشی کے ساتھ خوش ہوتا ہے اور نہ کسی غم کے ساتھ غمگین ہوتا ہے اس حالت کو فنائے قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ اس فنا میں اگرچہ اشیاء کا علم وسعتِ سینہ سے رخصت ہو چکا ہے اور اس کا علمی و حبی تعلق ماسوا سے ختم ہو چکا ہے لیکن اس کا نفسِ حاضر اور علم حضوری (اپنی ذات کا علم) ابھی تک موجود ہے (اور) ہمسری کا دعوٰی اور انانیت (میں پن)
قائم ہے جب عنایتِ (الٰہی) کی صفت سے عارف اپنی ذات کے عدم ہونے کو معلوم کر لیتا اور دیکھ لیتا ہے طہ ۱۳۱
اور جان لیتا ہے کہ وجود اور توابع وجود خاص ربِ معبود کے کمال کے اوصاف میں سے ہے اگر ممکن میں ہیں تو اسی مقدس بارگاہ سے مستعار و مستفاد ہیں تو اس وقت بلا نسبت سعادت کی کھڑکی اس پر کھل جاتی ہے اور مطلوب کی خوشبو اس کے دماغ میں جا پہنچتی ہے ؎

چون بدانستی کہ ظلِ کیستی — فارغی گر مردی و گر زیستی

[جب تو نے جان لیا کہ تو کس کا سایہ ہے تو پھر خواہ مردہ ہو یا زندہ تو بے فکر ہے]

یہ دید تجلی صفات سے ہے جب یہ دید غالب آ جائے تو ہو سکتا ہے کہ آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ
تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو واپس دو) کے النساء ۵۸
اشارے کے مطابق ان عاریتی کمالات یعنی توابع وجود اور تمام صفات کمال کو پوری طرح اُن کے اہل کے سپرد کر دیتا ہے اور ظلال کو اصول کے ساتھ ملا ہوا پاتا ہے اور اپنے آپ کو جو کہ اُن کمالات کا آئینہ تھا خالی اور عدمِ محض کے ساتھ ملحق دیکھتا ہے، اس کی پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا اُس وقت حاصل ہو جاتا ہے اور اسلام حقیقی کی طرف راہ پا لیتا ہے، یہ کمال فنائے نفس کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ ہے سیر و سلوک کا خلاصہ اور اہلِ کمال کے حال کا ثمرہ، اس طریقہ کا سلوک سنتِ عالیہ کی پیروی اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب کے ساتھ وابستہ ہے اور شیخ مقتدا (پیر) کی محبت پر کامل استحکام کا ہوتا ہے، مرید محبت کے رابطہ کے ذریعہ جو کہ وہ شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے لمحہ بلمحہ اس کے رنگ میں رنگا جاتا اور اس کے کمالات کے ساتھ رنگین ہو جاتا ہے۔

مکتوب ۸۳

میرزا محمد صادق کے نام اس بارے میں کہ معاملہ دو چیزوں یعنی صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع اور شیخ مقتدا کی محبت پر موقوف ہے اور قضا و قدر کے مسئلہ کی شرح میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ مکتوبِ مرغوب جو آپ نے قاصد کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا چونکہ دوستوں کی عافیت و سلامتی پر مشتمل تھا مسرت و شادمانی کا باعث ہوا، اللہ تعالیٰ شریعتِ عالیہ اور سنتِ منورۂ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے راستہ پر استقامت و مداومت نصیب فرمائے پس بلاشبہ یہی کام کی اصل ہے اور اسی پر نجات کا مدار ہے اور اس کے علاوہ بے فائدہ زحمت اٹھانا ہے میرے مخدوم! اگر دو چیزوں یعنی صاحبِ شریعت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اور شیخِ مقتدا (پیر) کی محبت میں استقامت و استحکام ہے اور احوال و مواجید (کیفیات)
میں سے کچھ بھی نہیں ہے تو غم نہیں ہے آخر کار اس کو سب کچھ دیدیں گے اور اکابر کے احوال و مواجید سے ۱۳۲
اس کو محروم نہیں چھوڑیں گے، اور اگر ان دو چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل ہے اور اس کو احوال و مواجید حاصل ہیں تو خرابی کے سوا کچھ نہیں ہے اور وہ جو کچھ رکھتا ہے استدراج کی قسم سے ہے اس مقصد کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا چاہیے، ملاقات حاصل ہونے تک ذکر و فکر میں مشغول رہیں، اور غیر جنس اور طریقہ کے مخالف کی صحبت سے بچتے رہیں فر منهم اکثر ما تفر من الاسد [جتنا تو شیر سے بھاگتا ہے اس سے زیادہ ان سے بھاگ]

یہ جو آپ نے لکھا تھا کہ "اسی دن سے ان کی خدمت سے پرہیز کیا اور اس کلام کے سننے سے توبہ کی" اس پر اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے، حق سبحانہٗ اس پر استقامت عطا فرمائے، اگر آپ اکابر کے کلام کا شوق رکھتے ہیں تو ہمارے حضرتِ عالی (قدس سرہٗ) کے مکتوب و رسائل کا مطالعہ کریں میرے مخدوم آپ نے جو چار سوال وہاں کے شیوخ کے بارے میں کئے ہیں واضح ہوئے۔ پہلا سوال قضا و قدر کے مسئلہ سے تعلق رکھتا ہے اگر آپ نے اس جماعت کے امتحان کی راہ سے لکھا ہے اور مقصود ان کو الزام دینا ہے تو بات کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور اگر اس بارے میں کوئی شک و شبہ دل میں راہ پا گیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ قضا و قدر کا مسئلہ اللہ جل شانہٗ کے اسرار میں سے ایک سر ہے اس مسئلہ میں باہم گفتگو کرنا اور چھان بین کرنا ممنوع ہے اس معاملہ میں ممانعت کی حدیثیں بہت ہیں جو کچھ ہم پر لازم ہے وہ اوامر کو بجا لانا اور نواہی سے بچنا ہے اس مسئلہ میں غور کرنے کے لئے فرمایا نہیں گیا ہے بلکہ منع کیا گیا ہے اس معاملہ کی حقیقت کو حق جل وعلا کے علم کے حوالہ کرنا چاہیے، جس چیز کے ساتھ (ہمیں) مکلف کیا گیا ہے تندہی و احسانمندی کے ساتھ اس کے بجا لانے میں کوشش کرنی چاہیے، یہ ہے سب سے زیادہ سلامتی کا راستہ۔ میرے مخدوم! اس مسئلہ میں جو کچھ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے اس کے موافق اعتقاد درست رکھنا چاہیے اور شک میں ڈالنے والی باتوں اور چون و چرا میں نہیں جانا چاہیے کہ (یہ) منع ہے۔

آپ جان لیں کہ اہلِ سنت وجماعت کا مذہب یہ ہے کہ بندہ کے تمام افعال خیر ہوں یا شر سب حق سبحانہٗ کی تقدیر و ارادہ سے ہیں، والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ [اور اس کے خیر و شر کا مقدر ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے] اور تقدیر خلق و ایجاد سے عبارت ہے اور (یہ بات) معلوم ہے کہ خالق و موجد اُس
۶ ۱۰۲ تعالیٰ شانہٗ کے سوا اور کوئی نہیں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡہُ [اس کے سوا کوئی معبود
۲۳ ۳۷ ۹۶ نہیں وہ ہر چیز کا خالق ہے پس اسی کی عبادت کرو] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ [اور اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا] معتزلہ و قدریہ نے نہایت جہالت و حماقت کی وجہ سے قضا و قدر کا انکار کر کے بندہ کے افعال کو بندہ کی قدرت و اختیار سے منسوب کیا ہے اور بندہ کو افعال کا خالق کہا ہے ضلوا فاضلوا [وہ خود بھی گمراہ ہوئے پس انھوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا] علما نے کہا ہے کہ مجوس اُن سے بہتر حالت والے ہیں کہ وہ ایک شریک کہتے ہیں اور یہ لوگ لاتعداد و بےشمار شریک ثابت کرتے ہیں۔
ص ۱۳۳ ہم اصل بات کی طرف جاتے اور کہتے ہیں کہ خیر و شر کی تقدیر اور نسبتِ خلق حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کے باوجود بندہ کے ارادہ و اختیار کو بھی اس کے وجودِ فعل میں دخل دیا گیا ہے، اول صرف ارادہ بندہ کی جانب سے ہوتا ہے اس کے بعد اس کے موافق حق تعالیٰ خلق (پیدا) فرماتا ہے اور ارادہ کے اس استعمال ہی کو کسب کہتے ہیں پس خلق حق جل وعلا کا فعل ہے اور اس کا کسب بندہ کی طرف سے ہے۔ اور یہ جو آپ نے لَا تتحرک ذرۃ الا باذنہ [اس (اللہ تعالیٰ) کی اجازت کے بغیر کوئی ذرہ حرکت نہیں کرتا] وغیرہ لکھا ہے تو یہ حق تعالیٰ کے پیدا کرنے کے اعتبار سے ہے اور مقتول کے عوض میں قاتل کو قتل کرنا اور گنہگار کو ملامت کرنا اور اس کو سزا کا عذاب دینا کسب کے اعتبار سے ہے اور (فرقہ) جبریہ ارادہ و اختیار کو بندہ سے نفی کرتے ہیں اور اس کو افعال کے صادر ہونے میں مجبور جانتے ہیں جیسا کہ درخت کی شاخوں کو کوئی شخص ہلائے بلکہ فعل کی نسبت بندہ کی طرف نہیں کرتے اور ان افعال کا فاعل حق (تعالیٰ) کو جانتے ہیں اور یہ کفر ہے اور ایسا اعتقاد رکھنے والا کافر ہے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ نیک فعل پر ثواب (حاصل) ہوگا اور بُرے فعل پر عذاب نہیں ہوگا اور کافر و گنہگار لوگ معذور ہیں ان سب کے لئے کوئی پرسش اور کوئی سزا نہیں ہے کیونکہ تمام افعال حق (تعالیٰ) کی طرف سے ہیں
۲۳ ۳۷ ۲۴ اور یہ لوگ مجبور ہیں اور یہ (عقیدہ) کفر ہے، حق تعالیٰ فرماتا ہے وَقِفُوۡھُمۡ اِنَّھُمۡ مَّسۡـُٔوۡلُوۡنَ ۝ [ان کو
۱۴ ۱۵ ۹۲-۹۳ ذرا ٹھہراؤ بیشک ان سے پوچھا جائے گا] فَوَرَبِّکَ لَنَسۡـَٔلَنَّھُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ عَمَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝ [پس آپ کے رب کی قسم ہم ان سے ان کے اعمال کے متعلق ضرور پوچھیں گے]۔ (فرقہ) مرجیہ یہی لوگ ہیں جو کہ ستر پیغمبروں کی زبان سے لعنت کئے گئے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، ان بداطواروں کا مذہب

ظاہری عقل سے بھی باطل ہے کیونکہ رعشہ والے کی حرکت میں کہ جس کا ہاتھ اس کے اختیار کے بغیر ہلتا ہے اور اس شخص کی حرکت میں) جو (اپنا) ہاتھ خود ہلاتا ہے واضح فرق ہے کہ پہلی حرکت اختیاری نہیں ہے اور دوسری حرکت اختیاری ہے اور نصوصِ قطعیہ (آیاتِ قرآنی و احادیثِ متواترہ) اس مذہب کی
پ۲۶ احقاف ۱۴ نفی کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ [یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے] اور اللہ سبحانہٗ
پ۱۵ کہف ۲۹ فرماتا ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا [پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے بیشک ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ جس کے سرپردے اُن کو گھیرے ہوئے ہوں گے]۔ اگر بندوں سے اختیار بالکل چھین لیا گیا ہوتا تو حق تعالیٰ ظلم کی نسبت
پ۱۴ نحل ۳۳ ان کی طرف کیوں فرماتا، وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ [اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے] بہت سے ملحد (بے دین لوگ) چاہتے ہیں کہ اپنے اختیار کے سلب کے بہانہ سے احکامِ شرعیہ کی پابندی سے چھوٹ جائیں اور آخرت کی پرسش و جزا سے جو حرام امور کے ارتکاب پر موجود ہے اپنے آپ کو آزاد کر لیں اور اپنے آپ کو معذور و مجبور جانیں، (یہ بات) ظاہر ہے کہ بندہ کو اسقدر اختیار و طاقت (حاصل) ہے کہ اوامر و نواہی کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے اس لئے کہ (کسی چیز کو) پکڑ کر ہلانے اور رعشہ کی حرکت میں فرق واضح ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، حق تعالیٰ کریم
پ۳ بقرہ ۲۸۶ ہے، بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا ہے اسی قدر (افعال) کا مکلف کیا ہے کہ جس کو وہ پورا کر سکیں لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی طاقت و اختیار کے مطابق ہی مکلف بناتا ہے]۔ اس جماعت کا عجیب معاملہ ہے کہ جو لوگ اس جماعت کی اطاعت نہیں کرتے اور ان کو ایذا پہنچاتے ہیں اُن کو برا قرار دیتے ہیں اور انتقام کے درپے ہوتے ہیں اور اپنے بیٹوں اور اپنی لونڈی اور غلام کو مارتے اور سزا دیتے ہیں اور اگر کسی غیر آدمی کو اپنی عورت کے ساتھ دیکھتے ہیں تو بگڑ جاتے ہیں یا اور (اس کو) اذیت پہنچاتے ہیں اور معذور و مجبور کہہ کر (اس سے) چشم پوشی نہیں کرتے اور (ان باتوں کے باوجود) وہ اس بہانہ (عذرِ مجبوری) سے آخرت کے عذاب سے جو نصوصِ (دلائل) قطعیہ سے ثابت ہو چکا ہے چاہتے ہیں کہ رہائی حاصل کریں اور جو کچھ چاہیں کریں، حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ عَذَابَ
پ۲۷ طور ۷-۸ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ [بیشک آپ کے رب کا عذاب ضرور آ کر رہے گا کوئی اسے ٹال نہیں سکتا] اگر لوگ کسی دیوانہ کو گھر میں دیکھتے ہیں تو معذور قرار دیتے ہیں اور اسی طرح جو گناہ بھی دیوانہ کرتا ہے کوئی شخص اُس سے بازپرس نہیں کرتا سب کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے اور عقل و اختیار سے خارج ہے مصرع

عجب نبود گر گناہے می کند دیوانہ [اگر کوئی دیوانہ کوئی گناہ کرے تو عجب نہیں ہے]

اور جو شخص دیوانہ نہیں ہے اس سے بازپرس کرتے ہیں اور سزا دیتے ہیں اور اس کو معذور قرار نہیں دیتے اور
یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ (غیر دیوانہ) صاحبِ اختیار ہے اور وہ (دیوانہ) اختیار سے خارج ہے پس
ثابت ہوا کہ قدریہ جو کہ قضا و قدر کے منکر ہیں اور جبریہ جو کہ بندہ سے اختیار کی نفی کرتے ہیں دونوں حق سے دُور
جا پڑے ہیں اور اہلِ بدعت اور خود گمراہ اور گمراہ کرنے والے ہیں اور حق معتدل وہ ہے کہ جس کی طرف اہلِ سنت
وجماعت نے ہدایت پائی ہے۔ مروی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
پوچھا اے ابنِ رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے امر بندوں کے حوالہ کر دیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
کی شان اس بات سے بہت ارفع ہے کہ وہ (اپنی) ربوبیت بندوں کے حوالہ کرے۔ پھر انھوں نے کہا کیا
(اللہ تعالیٰ) اس پر بندوں کو مجبور کرتا ہے؟ انھوں (حضرت امام جعفر صادقؓ) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے
یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ بندوں پر جبر کرے پھر اُن کو عذاب دے۔ انھوں نے کہا تو پھر کیا معاملہ ہے؟
آپ نے فرمایا: ان دونوں باتوں کے بین بین ہے، نہ جبر ہے نہ تفویض اور نہ زبردستی ہے نہ (مکمل) خود مختاری
کافر اور مشرک لوگ دلیل لاتے تھے کہ ہمارا کفر و شرک حق تعالیٰ کے مشیت و ارادہ سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۸/۶/۱۴۸
[یہ مشرک لوگ عنقریب یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک کرتے) اور نہ ہم کسی چیز کو
حرام ٹھہراتے] حق تعالیٰ نے اس عذر کو اُن سے قبول نہیں کیا اور ان کے قول کو ان کی جہالت پر محمول کیا
اور ان کی تکذیب کی دلیل قرار دیا جیسا کہ فرمایا كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا
قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا الآیہ [اسی طرح ان (کافر) لوگوں نے بھی جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں ۸/۶/۱۴۸
(رسولوں کو) جھٹلایا تھا یہاں تک کہ انھوں نے ہمارا عذاب چکھا آپ کہدیجیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم (دلیل) ہے
تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو] اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ خیر و شر سب حق جل و علا کی تقدیر سے اس سبحانہ کے
ارادہ و مشیت کے ساتھ ہے پس کافروں کا شرک بھی اس تعالیٰ شانہٗ کی مشیت و ارادے سے ہے اور یہ ۱۳۵
لوگ اس قول میں حق پر ہیں تو ان کا قول مقبول کیوں نہیں ہوا۔ جواب: ہم کہتے ہیں کہ سرکشوں کا یہ
قول معذرت کے طور پر نہیں ہے کہ ہم اُس برے عمل میں مشیت کے تابع ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنے کردار کو بُرا
نہیں جانتے بلکہ اُن کا مقصود اس فعل کے بُرا ہونے کی نفی کرنا ہے اس لئے کہ جو کچھ حق جل شانہٗ کا چاہا ہوا
اور اس تعالیٰ شانہٗ کی مشیت کے متعلق ہے وہ اس سبحانہ کا پسندیدہ ہے کیونکہ اگر پسندیدہ نہ ہوتا تو وہ
نہ چاہتا پس ہمارا یہ شرک پسندیدہ ہے اور اس فعل کا فاعل عذاب کا مستحق ہونے سے دور ہے۔ حق تعالیٰ نے
اس قول و اعتقاد کو تکذیب کے ساتھ ذکر کیا ہے كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ [اسی طرح ان سے پہلے ۸/۶/۱۴۸

لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی) کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام (قرآن مجید) میں اور اپنے انبیاء علیہم السلام کی زبان پر کفر کو ناپسندیدہ اور برا فرمایا ہے اور کافروں کو ملعون اور اپنی رحمت سے مایوس ٹھہرایا ہے اور دائمی عذاب جو کہ ختم ہونے والا نہیں ہے ان کی جزا ٹھہرائی ہے اور نیز اس اعتقاد کو جہالت ٹھہرایا ہے، کسی چیز کے ارادہ سے رضامندی لازم نہیں آتی کیونکہ کفر و گناہ حق جل وعلا کے ارادہ سے ہیں اس کے پسندیدہ نہیں ہیں جیسا کہ قرآن مجید سے واضح و روشن ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ مشرکوں کا یہ قول (جو آیتِ مذکورہ میں ہے) جبریہ کے مذہب کے موافق ہے اور ان کی غرض اس فعل میں اپنے آپ سے اختیار کی نفی کرنا ہے تو بعید نہیں ہے حق تعالیٰ نے ان لوگوں کا رد فرمایا ہے کیونکہ یہ اعتقاد باطل ہے جیسا کہ گذر چکا ہے اور نیز ہو سکتا ہے کہ ان مردودوں کا یہ قول استہزاء (یعنی مذاق) کے طور پر ہو نہ کہ اعتقاد کی رو سے جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے اور اس سے جو کہ ہم نے آیۂ کریمہ کے بارے میں بیان کیا ہے معتزلہ کا استدلال جو کہ انھوں نے اس آیت سے اپنے مذہب پر کیا ہے ساقط ہو گیا کیونکہ اُن کا استدلال یہ ہے کہ "حق تعالیٰ نے کافروں کی معذرت کو قبول نہیں کیا جو انھوں نے کی ہے کہ ہمارا شرک اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت سے ہے اور اُن کو اس قول کے ساتھ عذاب کا مستحق ٹھہرایا اور فرمایا حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا (یہاں تک کہ وہ ہمارا عذاب چکھیں گے) پس معلوم ہوا کہ تقدیرِ خیر و شر حق سبحانہٗ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ بندہ اپنے فعل کی ایجاد میں مستقل (با اختیار) ہے"، اور (اس استدلال کے) ساقط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام سے ان کی غرض اپنے فعل سے معذرت کرنا نہیں ہے کیونکہ وہ اُس کو برا نہیں جانتے تھے بلکہ ان کا مطلب اپنے فعل کو سراہنا ہے کہ ہمارا فعل حق تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق اور اس کا پسندیدہ ہے اور یہ اعتقاد باطل ہے کیونکہ ارادہ کے مطابق تو ہوگا لیکن پسندیدہ نہیں ہوگا جیسا کہ گذر چکا ہے۔ اگر کہا جائے کہ "جب بندوں کے افعال حق تعالیٰ کے ارادہ سے ہیں اور خیر و شر کا مقدر ہونا ازل ہی میں طے ہو چکا ہے تو بندہ کو اختیار نہیں رہا اور ان (بندوں) سے خیر و شر کے افعال کا صادر ہونا واجب ہو گیا" تو ہم کہتے ہیں کہ ازل میں چاہا اور مقدر کیا ہے کہ بندہ اپنے اختیار سے یہ فعل کریگا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ تقدیر اختیار کا باعث ہے اور یہ معنی اختیار کو ثابت کرنے والے ہیں نہ کہ اختیار کی نفی کرنے والے، اور نیز ہم کہتے ہیں کہ اگر قضائے ازلی اختیار کے منافی ہو تو چاہیے کہ حق تعالیٰ اپنے افعال میں روزانہ پیش آنے والے واقعات کی ایجاد میں مختار نہ ہو کیونکہ ان افعال کو ضرور تقدیر و ارادہ کے موافق واقع ہونا ۱۳۶
چاہیے جب ویسا نہیں ہے تو ایسا بھی نہیں ہے، والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات العلیٰ۔

مکتوب ۸۴

مولانا عارف لاہوری کے نام فنا کے لطائف کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوات وارسالِ تسلیمات کے بعد عرض کرتا ہے کہ جو مکتوب مرغوب آپ نے ان دنوں میں بھیجا تھا پہنچکر مسرت کا باعث ہوا۔ اثر کے زائل ہونے اور عین کے زوال کے آغاز کے بارے میں آپ نے لکھا تھا کہ آپ نے میرے حق میں ایسی ہی بشارت دی تھی۔ میرے مخدوم! عین کا زائل ہونا اثر کے زائل ہونے کی نسبت زیادہ آسان ہے پس عین کا زائل ہونا مقدم ہوگا اسی لئے بعض کو عین کے زوال کے بعد اثر کا زوال بھی ہوتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا اس لئے اثر کے زائل ہونے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ سالک کو فنا حاصل ہونے کے بعد بعض عین واثر (دونوں) کے زائل ہونے کے قائل ہوگئے ہیں اور بعض نے اثر کے زائل ہونے کو جائز نہیں رکھا اور حق اس بارے میں یہ ہے کہ اگر سالک کا مبدأ تعین مرتبہ شیون سے ہے تو اس کے عین ثابتہ تک وصول اور اس میں فنا حاصل ہونے کے بعد اس کے حق میں عین واثر کا زائل ہونا واقع ہے کیونکہ شیون کو عالم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے کہ عالم صفات کا ظل ہے نہ کہ شیون کا ظل، پس کسی شان میں فنا حاصل ہونے سے مطلق فنا لازم آئے گی اور عین واثر کو زائل کرنے والی ہوگی، اور اگر سالک کا عین ثابتہ مقامِ صفات سے ہے تو صفت میں سالک کا وصول و فنا ہونا اس کے وجود کو بالکل محو (فنا) کرنے والا نہیں ہوتا اور اس کا اثر زائل نہیں ہوتا کیونکہ سالک کا وجود اسی صفت کا اثر و ظل ہے۔ آپ نے جو کچھ بشارت اس فقیر سے نقل کی ہے آپ کے دل سے بھول ہوئی ہے، فقیر نے اس طرح سے ہرگز نہیں کہا ہوگا۔ اور شیخ ابو سعید ابوالخیر (قدس سرہ) عین واثر کے زوال کے قائل ہیں جیسا کہ انھوں نے اثر کے زوال سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا ہے وَلَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ [اور نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی] عین نہیں رہتا اثر کہاں سے رہے گا۔ رباعی

جسمم ہمہ اشک گشت چشمم بگریست — در عشقِ تو بے جسم ہمی باید زیست
از من اثرے نماند ایں عشق از چیست — چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

[میرا تمام جسم آنسو بن گیا اور میری آنکھ نے گریہ کیا تیرے عشق میں جسم کے بغیر ہی زندہ رہنا چاہئے، مجھ سے کوئی اثر باقی نہیں رہا (تو پھر) یہ عشق کس چیز سے ہے جب میں سراسر معشوق ہوگیا تو عاشق کون ہے]

لیکن اس رباعی کے آخری مصرع میں کلام کی گنجائش ہے کیونکہ عاشق اس وقت میں صحرائے عدم کی طرف

کوچ کر چکا ہے اور اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا اور وہ انانیت کو روبزوال لا چکا ہے آنا الحق [میں حق ۱۳۷
ہوں] کون کہے اور من ہمہ معشوق شدم [میں سراسر معشوق ہوگیا] کی کیا گنجائش ہے، اس مقام سے عارف کا
نصیب فنا و نیستی ہے اور اہلِ امانات کو امانتیں واپس کرنا ہے اور کلمہ آنا (میں) کے مورد کا زائل ہونا ہے ؎

تو او نشوی ولیک گر جہد کنی ۔۔۔ جائے برسی کز تو توئی برخیزد

[تو وہ تو نہیں ہو جائے گا لیکن اگر کوشش کرے تو ایسی جگہ پہنچ جائے گا کہ تجھ سے تیرا ہونا جاتا رہے گا]

آپ نے لکھا تھا کہ حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے مکتوبات میں واقع ہے کہ "یہ تمام راستہ پانچ قدم ہے تین عالمِ امر کے اور دو عالمِ خلق کے۔ تین (قدم) جو عالمِ امر کے ہیں کونسے ہیں اور عالمِ خلق کے دو (قدم) کیا چیز ہیں"۔ میرے مخدوم عبارت کے نقل کرنے میں فرق ہوگیا ہے مکتوبات میں اس طرح ہے کہ "یہ راہ کہ ہم جسے طے کرنے کے درپے ہیں کل سات قدم ہے دو عالمِ خلق سے اور پانچ عالمِ امر سے" آپ جان لیں کہ عالمِ امر کے پانچ قدم (لطائف) قلب و روح و سر و خفی و اخفیٰ ہیں اور عالمِ خلق کے دو (قدم) قالب و نفس ہیں۔ آپ نے پوچھا تھا کہ "فنائے روح کس چیز سے عبارت ہے اور اس کی علامت کیا ہے اور وہ فنائے نفس پر مقدم ہے یا نہیں؟" آپ جان لیں کہ ہر لطیفہ کی فنا اس لطیفہ کے اپنی اصل تک پہنچنے سے وابستہ ہے اور چونکہ روح کی اصل صفات بلکہ ظلالِ صفات کے مقام سے ہے کیونکہ عالمِ امر کے پانچوں لطائف کے اصول اسماء و صفات کے ظلال کے دائرہ میں داخل ہیں کہ ان میں سیر واقع ہونا ولایتِ صغریٰ ہے جو کہ اولیاء اللہ کی ولایت ہے، پس فنائے روح صفات کے ظلال تک وصول سے عبارت ہے جیسا کہ قلب کی اصل افعالِ واجبی تعالیٰ کے مقام سے ہے اور اس کی فنا اس کے اس مقام تک وصول سے وابستہ ہے اس دائرہ ظلال سے گذر جانے کے بعد اسماء و صفات و شیون و تنزیہات کا دائرہ ہے کہ اس میں سیر واقع ہونا) ولایتِ کبریٰ ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایت ہے، عالمِ امر کے پانچوں جواہر (لطائف) کے عروج کی انتہا اس دائرہ کی نہایت تک ہے اور اس دائرہ سے گذرنے کے بعد ان کے اصول کا دائرہ ہے اور اس سے گذرنے کے بعد ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے اور اس سے گذرنے کے بعد دائرہ کی ایک قوس (نصف دائرہ) ہے جو کہ ان سب (تینوں) دائروں کی اصل ہے۔ ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ان تینوں قسم کے کمالات کا حصول نفسِ مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس (نفس) کو اطمینان کا حصول اس مقام میں میسر ہوتا ہے الخ" اور اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس کا کمال عالمِ امر کے کمالات سے اوپر ہے اور اس کا کامل طور سے فنا ہو جانا ان تینوں قسم کے

اصول تک وصول سے وابستہ ہے پس فنائے نفس فنائے روح کے بعد بلکہ عالم امر کے لطائف کی ۱۳۶
فنا کے بعد ہوگی، اور یہ جو ہم نے اس کا کامل طور سے فنا ہونا کہا ہے یہ اس لئے ہے کہ فنائے نفس
اور اس کے اطمینان کی ابتداء اسماء و صفات کے ظلال کے دائرہ سے ہے جو کہ ولایت صغری ہے
لیکن اس مقام میں فنا کی صورت ہے فنا کی حقیقت ان تینوں قسم کے اصول کے ساتھ وابستہ ہے
ارباب ولایت صغری بھی نفس کے فنا اور مطمئنہ ہو جانے کی خبر دیتے ہیں لیکن چونکہ اس مقام میں فنا کی
حقیقت نہیں ہے اس لئے کہتے ہیں ؎

ہر چند کہ مطمئنہ گردد ہرگز ز صفات خود نہ گردد

[اگرچہ نفس مطمئنہ ہو جائے (پھر بھی) اپنی صفات (عادات) سے ہرگز باز نہیں آتا]

اور جو شخص کہ فنا کی حقیقت کو پہنچ چکا ہے وہ کہتا ہے کہ فنا و اطمینان کے بعد اس میں بال بھر مخالفت
(بھی) نہیں رہتی اطاعت و تسلیم کے سوا اس کا کوئی کام نہیں ہے، والسلام۔

مکتوب ۸۵

شیخ بایزید بہار پوری کے نام اطمینانِ نفس کی تحقیق اور ان کے واقعات کی تعبیر میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، آپ کا مکتوب مرغوب پہنچ کر مسرت بخش ہوا،
آپ نے لکھا تھا کہ عین و اثر کا زائل ہونا ولایت کبریٰ کا کمال ہے اور جو فنائے نفس کہ ولایت صغری
میں پیش آتی ہے ان دونوں میں فرق واضح نہیں ہوتا امیدوار ہے کہ اس فرق کی بابت رہنمائی فرمائیں گے۔
میرے مخدوم! فنائے نفس عین و اثر کے زائل ہونے سے وابستہ ہے لیکن ایک کو ولایت کبریٰ کے ساتھ
اور دوسرے کو ولایت صغری کے ساتھ خاص کرنا آپ نے کہاں دیکھا ہے اور کس سے سنا ہے فقیر نے
خود نہیں کہا ہے اور حضرت عالی (قدس سرہ) کے مکتوبات میں (بھی) نہیں ہے جس شخص سے آپ نے سنا ہے
اسی سے اس کا حل طلب کریں، ہاں اگر اس معنی میں کہیں کہ فنائے نفس کی ابتداء ولایت صغری میں ہے
اور اس کا کمال ولایت کبریٰ تک پہنچنے سے بلکہ عناصر اربعہ کے اعتدال کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ کمالاتِ
نبوت سے تعلق رکھتے ہیں تو درست ہے کیونکہ ولایت صغری میں اگرچہ ایک گونہ فنا و اطمینان حاصل
ہو جاتا ہے لیکن اس صحیح نہیں کہ نفس اپنے برے اوصاف سے بالکل مبرا ہو جائے اور اخلاق ذمیمہ سے
پوری طرح خالی ہو جائے اسی لئے اس ولایت والے حضرات کہتے ہیں ؎

ہر چند کہ مطمئنہ گردد　　ہرگز ز صفاتِ خود نگردد

[اگرچہ نفس مطمئنہ ہو جائے (پھر بھی) اپنی صفات (عادات) سے ہرگز باز نہیں آتا]

۱۳۹ حضرت عالی (قدس سرہٗ) جو کہ ولایتِ کبریٰ تک پہنچے ہیں بلکہ کمالاتِ نبوت کے ساتھ مشرف ہوئے ہیں فرماتے ہیں کہ نفس کو فنا و اطمینان (حاصل ہونے) کے بعد مخالفت کی مجال نہیں رہتی اور اس سے بال بھر بھی (اللہ کی) مرضی کے خلاف متصور نہیں ہے اور وہ مستہلک و مستغرق ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کا اور اپنے ماسوا کا کوئی شعور نہیں رکھتا جس واقعہ میں آپ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم کو دیکھا ہے اور حضرت امیر (علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ) کو بھی دیکھا، نیک و مبارک ہے بظاہر آپ کو حضرت امیر المومنین (کرم اللہ وجہہ) سے حصہ ہوا اور دوسری مرتبہ جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ الصلوات والسلام کو ازواج مطہرات کے ساتھ دیکھا ہے اور اُن امہات المومنینؓ کی جانب سے عنایات مشاہدہ کی ہیں گویا آپ ان کے فیوض و برکات سے بھی بہرہ مند ہوئے ہیں اور کمالاتِ ولایت کو اس کمال کے ساتھ جو کہ کمالاتِ نبوت کے مناسب ہے جمع کیا ہے اور دوسرے واقعات ہیں کہ فقیر نے آپ کو ایک خاص گھوڑا دیا اور سوار کیا اور اپنے ساتھ لے گیا اور حضرت میکائیل سے مہربانی و عنایت کا مشاہدہ کرنا اور ان کا یہ کہنا کہ میرا بھائی جبرئیل تیرے ساتھ بہت ملاقات کرتا ہے اور یہ محبوبیت کے سبب سے ہے یا آپ میں محبوبیت کی شان ہے اور فرشتوں کو حسین صورتوں اور شاندار لباس میں دیکھنا اور آسمان سے چاندی کی چاندنی کی مانند کسی چیز کا نیچے آکر آپ کے سامنے گر پڑنا اور روئے زمین کا اس کی چمک سے روشن ہو جانا بہت واضح و بلند واقعات ہیں اور ان میں سے بعض بظاہر اس سے زیادہ بلند ہیں جو کچھ کہ آپ کو اس وقت حاصل ہے۔ مختصر یہ ہے کہ (یہ) واقعات بشارات ہیں امیدوار رہیں۔ ؎

چشم دارم کہ دہی اشک مرا حسنِ قبول　　اے کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانی را

[اے وہ (اللہ) کہ جس نے بارش کے قطرہ کو موتی بنا دیا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میرے آنسوؤں کو حسنِ قبول عطا فرمائے گا]

والسلام اولاً و آخراً

مکتوب ۸۶

سیادت پناہ میر مظفر حسین کے نام عشق و شوق اور عدم حصول کے درد کے بیان میں اور محبت جو کہ معیت کا ثمرہ دینے والی ہے اس کی تکمیل پر ترغیب دینے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اے سیادت پناہ آپ نے عشق کے شوق اور شوق کے

ولولہ کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا اور عدم حصول کے درد کا اظہار فرمایا تھا واضح ہوا اور لذت بخش و مسرت افزا ہوا۔ ؎

خوش آنکہ براہِ عشق جان داد　　عشق است کہ جان باو تواں داد

[وہ شخص خوش نصیب ہے جس نے کہ عشق کے راستہ میں جان دی عشق (ایسی ہی چیز) ہے جس کیلئے جان دی جا سکتی ہے] ص۱۳۰

اللہ تعالیٰ شوق کے شعلہ کو بلند کرے اور عشق کی آگ کو بھڑکائے تاکہ آفاق و انفس کی قید سے پوری طرح رہا کردے اور مطلوب کے ساتھ خاص معیت پیدا کردے محبت کوئی لمحہ ایسا نہیں چھوڑتی جو کہ محب صادق کے نصیب نہ ہو، المرء مع من احب [آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے] محبت جسقدر زیادہ قوی ہوگی معیت اسی قدر زیادہ کامل ہوگی، محبت کا زیادہ ہونا حسن و جمال کے علم کی فراوانی کے مطابق ہے حسن کے دقائق اور جمال و کمال کی باریکیوں کا علم جسقدر زیادہ ہوگا اسی قدر شوق کی آگ زیادہ اور محبت کا شعلہ تیز ہوگا ؎

آنرا کہ بحسن دیدہ تیز است　　ایں عشق بلائے خانہ خیز است

[جس شخص کی آنکھ حُسن کے ساتھ تیز ہے، یہ عشق (اس کیلئے) گھر سے اُٹھنے والی بلا ہے]

عشق کو حُسن کے ساتھ موافقت ہے اور اول (ازل) ہی سے ہم صحبت ہونے کا عہد موجود ہے، حدیث کنت کنزا مخفیا [میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا الخ] اس پر دلالت کرتی ہے۔ ؎

ہر کجا حُسن می نماید رُوے　　می نہد سر بسجدہ عشق آں سُوے

[جہاں بھی حُسن اپنا جلوہ دکھاتا ہے عشق اسی طرف سر بسجدہ ہو جاتا ہے]

اُس کے حُسن کی شہرت سے دنیا مالا مال ہے اس لئے اس کے عشق کا دروازہ ہمیشہ کُھلا ہوا ہے ؎

افسانۂ عشقِ او بہر سوے　　دیوانۂ حُسنِ او بہر کوے

[اس کے عشق کا چرچا ہر طرف ہے، اس کے حسن کا دیوانہ ہر کوچے میں ہے]

عدم حصول کے درد سے غمگین نہ ہوں، ع

بتاریکی دروں آبِ حیات است　　[آبِ حیات تاریکی میں ہے]

اُس مقام کا حصول عین عدم حصول ہے اور جہل عین معرفت ہے اعرفہم باللہ اشد تحیرا فیہ [اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پہچاننے والا اس کے بارے میں سب سے شدید حیرت زدہ ہے] بیشک معروف کی کُنہ کو پانے اور احاطہ کرنے کی حقیقت بشری طاقت سے باہر ہے اور سب ہی لوگ اس عدم حصول کے درد میں مبتلا ہیں، بشریت سے نکل جانا اور ذاتِ مطلق کے ساتھ متحقق ہونا ممکن نہیں ہے کہ وہ ذاتِ مطلق کے

سے بہرہ مند ہو جاتا۔ شیخ عطار (قدس سرہ) فرماتے ہیں ؎

می بینی کہ شاہے چوں پیمبر نیافت او فقرِ کل تو رنج کم بر

[کیا تو نہیں دیکھتا کہ پیغمبر جیسی عظیم الشان ہستی کو کامل فقر (بشریت کی کلی انقطاع) حاصل نہیں ہوا (اسلئے) تو بھی کم رنج کر]

ممکن واجب (کی حقیقت) سے اور مقید مطلق (کی حقیقت) سے کیا پائے اور کیا حاصل کرے، اس سے جو کچھ حاصل کرے اور پائے گا وہ ذاتِ مطلق کی بلند بارگاہ سے نیچے اور قید کی پستی میں داخل ہے، اس کے طالب کو اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ اپنے آپ کو مایوسی میں رکھے، اس بیچارہ کی نہایت یہی ہے کہ اپنے آپ کو گم و محو کر دے اور اپنا کوئی نام و نشان باقی نہ رکھے نہ یہ کہ عنقا کو شکار کرے اور سیمرغ کو جال میں پھنسائے ؎

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

[عنقا کو کوئی شکار نہیں کر سکتا تو اپنا جال اٹھا لے کیونکہ یہاں ہمیشہ جال لگانا ایسا ہے جیسا کہ ہوا کو ہاتھ میں لینا (جس سے کچھ حاصل نہیں)]

اس جدائی کی شام کے لئے وصال کی صبح کی کوئی امید نہیں کی گئی ہے، افسوس در افسوس کہ اس غم کی کوئی حد نہیں ہے اور اس درد کا کوئی علاج نہیں ہے ؎ ص ۱۲۱

ہمہ صبح وصل جویاں من و شام نا امیدی کہ سیاہ بخت ہجرم شب من سحر ندارد

[سب لوگ وصل کی صبح تلاش کر رہے ہیں لیکن میں ہوں اور شام نا امیدی ہے کیونکہ میں ہجرت کا مارا ہوا سیاہ بخت ہوں اسلئے میری رات...]

آپ نے عاشق کی آرزو مندی اور معشوق کی بے نیازی کی بابت لکھا تھا، بیشک یہ دونوں صفتیں عاشقی و معشوقی کے لوازم میں سے ہیں یہ جدا نہیں ہوتیں درد مند عاشق جب تک جان رکھتا ہے آرزو کے بغیر نہیں رہتا کہ (یہ) اس کی جان کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کے ساز و سامان کے ساتھ پیوستہ ہے اور معشوق ہر وقت بے نیازی کی صفت کے ساتھ ہے (جو کہ) زائل ہونے والی نہیں ہے ؎

بنازم ایں چہ استغنا و ناز است گدازم ایں چہ امیدِ دراز است

[میں ناز کرتا ہوں (کہ) یہ کیا بے نیازی و ناز ہے، میں پگھل رہا ہوں یہ کیسی طویل امید ہے]

معشوق کی جانب سے جس قدر بے نیازی و لا پرواہی زیادہ ہو گی عاشق کی جانب سے عشق کا جوش اور آرزو مندی میں گھلنا اسی قدر زیادہ ہو گا۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

نہ تنہا آفتم زیبائی اوست بلائے من ز نا پروائی اوست

[محض اس کی خوبصورتی ہی میرے لئے آفت نہیں ہے بلکہ میرے لئے اس کی لاپرواہی کی وجہ سے بھی مصیبت ہے]

آپ نے اس بے پر و بال سے کمال کی درخواست کی تھی یہ ناکارہ خود کس قابل ہے جو کچھ ہے بزرگوں کے باطن سے ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جن بعض کمالات کی آپ کو بشارت دی گئی ہے اُن کا شکر بجا لائیں

اور دوسرے مراتب جن کی امید کی گئی ہے اُن کے امیدوار ہیں فان المرء مع من احب [بے شک آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے] محبت کو زیادہ کرنے میں کوشش کریں تاکہ کمال درجہ کی معیت حاصل کرلیں۔ والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ الصلوات والتسلیمات والبرکات العلیٰ۔

مکتوب ۸۷

فقیر حقیر شرف الدین حسین کے نام مطلوب کی حقیقت سے ناامیدی اور غیب و شہود کی تفصیل اور کمالاتِ نماز کے متعلق بعض امور اور اس کی حقیقت کے متعلق اشارات کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، میرے مخدوم! آپ نے احوال کی شرح اور کیفیات کے اظہار میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا واضح ہوا اور باطنی لذات کا سبب ہوا، اللہ تعالیٰ ترقیات کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے، ہمت کو بلند رکھیں جو کچھ میسر ہو اس پر قانع نہ ہوں۔ ع

آں لقمہ کہ در دہاں نہ گنجد طلبند [وہ لقمہ طلب کرتا ہے جو منہ میں نہیں سماتا]

ص۱۴۲ ممکن واجب تعالیٰ سے کیا پائے اور مقید مطلق سے کیا حاصل کرے، مقید جو کچھ مطلق سے حاصل کرتا ہے یا شاہدہ و ادراک کرتا ہے درجۂ اطلاق سے نیچے ہے اور اس کی استعداد و ادراک کے ساتھ مقید ہے، مطلق ان قیود سے پاک اور اس ادراک و شہود سے مبرا ہے پس اس مرتبۂ مقدس کے ناامیدی کے سوا کچھ نصیب نہیں ہے۔

عاشقاں را نصیب از معشوق جز خرابی و جاں گدازی نیست

[عاشقوں کو معشوق سے بربادی و جاں گدازی کے سوا اور کچھ نصیب نہیں ہوتا]

شہود و مشاہدہ ظلال کے ساتھ وابستہ ہے اور ورک و وصل اس جگہ تک ہے کہ (جس پر) اصل کا اطلاق کر اور جب معاملہ ظلال سے گزر جاتا ہے اور اصل بھی ظل کی مانند راہ میں رہ جاتی ہے تو معاملہ غیب الغیب سے جا پڑتا ہے اور سابقہ معاملات پراگندہ ہو جاتے ہیں اور ایمانِ شہودی ایمان بالغیب کے ساتھ بدل جاتا ہے اور لذت و حلاوت، ذوق و شوق کی بجائے بے کیفی اور درد و غم آجاتا ہے، کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دائم الحزن متواصل الفکر [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ مغموم اور متواتر فکرمند رہتے تھے] ان بزرگوں کی لذت محبوب کی اطاعت میں ہے اور بس اور اُن کا انس اس کی بندگی پر موقوف ہے ارحنی یا بلال [اے بلال مجھے راحت پہنچا] اسی کی طرف اشارہ ہے اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ

[میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے] اسی کا ایک رمز ہے، دوسرے حضرات شہود کی لذت کے ساتھ لطف اندوز ہوتے ہیں اور وصال کے خیال پر فریفتہ ہیں اور ان حضرات نے اس شہود سے آنکھ بند کی ہوئی ہے اور اسی وصال کو خیال تصور کرکے غیب کے ساتھ جو کہ شہود پر ہزاروں درجے فضیلت رکھتا ہے مطمئن ہیں اور کمر ہمت کو اس کی بندگی پر چست باندھے ہوئے ہیں۔ تحریمہ اولیٰ (تکبیر اولیٰ) کو جسے وہ امام کے ساتھ پاتے ہیں تجلیات و ظہورات سے بہتر جانتے ہیں اور خشوع (عاجزی) اور سجدہ کی جگہ پر نگاہ جمانے کو کہ حدیث شریف منتہٰی بصرک بموضع سجودک [تو اپنی نگاہ کو اپنے سجدوں کی جگہ پر رکھ] جس پر دال ہے اور آیت کریمہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ
پ۱۸ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ [وہ مومنین کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں] جس کی مخبر ہے شہود و مشاہدہ سے زیادہ تصور فرماتے ہیں، نماز اسی (ظاہری) صورت پر موقوف نہیں ہے (بلکہ) عالم غیب الغیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے جو کہ تمام حقیقتوں سے اوپر اور مشاہدات و تجلیات سے بالاتر ہے شاید کہ حدیث شریف (قدسی) قف یا محمد فان اللہ یصلی [اے محمد ٹھہر جائیے پس بیشک اللہ تعالیٰ نماز میں ہے] میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے، جسقدر اس (نماز) کی (ظاہری) صورت کی تکمیل میں کوشش کی جائے اور خشوع و آداب کو کامل طور پر ادا کرنے میں جد و جہد کی جائے اس حقیقت کے ساتھ (اسی قدر) مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کی برکات سے بہت زیادہ بہرہ ور ہو جاتا ہے اور جو شخص کہ شہود کی بندش اور ظہورات کی قید میں ہے اس حقیقت سے محروم و مستور ہے اسی بنا پر اس کی صورت کی تکمیل کو جو کہ حقیقت کی طرف ایک راستہ رکھتی ہے مشاہدات و تجلیات سے بہتر سمجھتا ہے
۱۲۳ اور بلند ہمتی کے باعث ان پر قناعت نہیں کرتا۔

بات دوسری طرف چلی گئی ہم (اصل) مطلب پر آتے ہیں جو احوال کہ آپ نے لکھے ہیں سب مقبول و اعلیٰ ہیں اور لذات کا نہ ہونا، سابقہ احوال و مواجید کو پراگندہ پانا اور عالم (دنیا) اور صانع عالم (دنیا کو بنانے والے) کے درمیان خالق و مخلوق اور صانع و مصنوع ہونے کی نسبت کے علاوہ کسی اور نسبت کا ثابت نہ ہونا یہ سب کمالات مرتبۂ نبوت سے ظاہر ہوئے ہیں اور اس مقام سے کامل مناسبت رکھتے ہیں، حق سبحانہٗ ہم جیسے محروموں کو ان کمالات سے کامل حصہ عطا فرمائے انہ قریب مجیب [بیشک وہ قریب (اور) قبول کرنے والا ہے] والسلام علیکم و علیٰ سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات و التحیات والبرکات العلیٰ،

۞

مکتوب ۸۸

سیادت پناہ سید علی بارہہ کے نام اوقات کو معمور رکھنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، جناب سیادت و نقابت پناہ! (اس) دور افتادہ سے سلام عافیت انجام پڑھیں، اس حدود کے فقرا کے احوال حمد کے لائق ہیں، اللہ سبحانہ سے آپ کی عافیت اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والتحیۃ کی شریعت عالیہ اور سنت منورہ کے راستہ پر استقامت کی دعا کی گئی ہے، اوقات کو ذکر و فکر کے ساتھ آباد رکھیں اور مولائے حقیقی جل شانہ کی خوشنودیوں کے حاصل کرنے میں جان (و دل) سے کوشش کریں، اندھیری راتوں کو گریہ و استغفار کرنے سے معمور رکھیں اور اس قلیل مدت میں آخرت کا زاد راہ تیار کریں اور دور افتادہ دوستوں کو خاتمہ کی سلامتی کی دعا کے ساتھ یاد رکھیں، والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب ۸۹

میر کی معین الدین کے نام اس بیان میں کہ طالب کو اپنے شیخ سے طلب کو ظاہر کرنا ناگزیر ہے اور اس سے طریق وصول کا تعین کرانا ایک فضول بات ہے اور اہل بدعت کی صحبت سے بچنے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ ذی الجلال والاکرام والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سید الانام وعلیٰ آلہ الکرام
۱۲۲ وصحبہ العظام، (آپ کا) گرامی نامہ پہنچ کر مسرت بخش ہوا چونکہ شوق کا مخبر اور درد و طلب پر مشتمل تھا (اس لئے) مزید خوشی حاصل ہوئی حق سبحانہ اس شوق کی آگ کو شعلہ زن بنائے اور طلب کے شعلہ کو سربلند کرے تاکہ ماسوائے بالکل رہا کر دے اور مطلوب کی خوشبو دماغ میں پہنچائے، ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت　　ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

[عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑک اٹھتا ہے تو معشوق کے علاوہ باقی سب کو جلا دیتا ہے]

اس تمام مشغولیت کے باوجود جس قدر طلب و شوق بھی میسر ہو غنیمت اور امید بخش ہے، ایک بزرگ[1] نے کہا ہے کہ "اگر (اللہ تعالیٰ) دینا نہ چاہتا تو طلب نہ دیتا۔" آپ نے گم شدہ نسبت کے حاصل ہونے کی خواہش

۱؎ ان سے مراد خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہٗ ہیں۔

ظاہر کی تھی۔ میرے مخدوم! جو کچھ طالب کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ طلب اور لوازم طلب کا اظہار شیخ سے کرے اور وصول کے طریقہ کا متعین کرنا شیخ کے سپرد کردے، مریض کو حکیم حاذق سے مرض کا بیان کرنا اگرچہ ہے اس سے ازالۂ مرض کے طریقہ کا تعین طلب کرنا فضول بات ہے جو فیض کہ شیخ مرحوم سے پہنچا تھا وہ شیخ کے سیر و سلوک و مبدأ تعین کے موافق تھا اگر دوسری جگہ سے (فیض) پہنچے گا تو وہ اس (دوسرے شیخ) کے سیر و سلوک کے مطابق ہوگا اور اس کی ولایت کی حقیقت کے سرچشمہ سے جوش مارے گا ہر چشمہ کا مزہ دوسرا ہے اور ہر حقیقت کے اثرات جدا ہیں۔ ع

ہر خوش پسرے را حرکاتے دگر است   {ہر اچھے بیٹے کی حرکات دوسری ہیں}

اگرچہ اصل سرچشمہ ایک ہی ہو لیکن جگہوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اثرات مختلف ہو جاتے ہیں، ہر لحاظ سے اتحاد محال ہے، میرے مکرم! ہمارے طریقہ میں افادہ و استفادہ کا مدار صحبت پر ہے، صاحبِ استعداد طالب صحبت کی برکت سے اپنی استعداد و محبت کے موافق شیخ مقتدا کے باطن سے فیضیاب ہوتا ہے، ہر وقت صفاتِ رذیلہ سے خالی ہو کر شیخ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے، فنا فی الشیخ ہونا فنا فی اللہ کا مقدمہ ہے، ؎

زاں روے کہ چشم تست احول   معبودِ تو پیرِ تست اول

[چونکہ تیری آنکھ بھینگی (ایک کو دو دکھانے والی) ہے اس لئے اول تیرا معبود تیرا پیر ہے]

اگر پیر کی صحبت میسر نہ ہو تو محض محبت سے بھی شیخ کی توجہ کے مطابق فیضیاب ہو جاتا ہے لیکن (ان دونوں میں) بہت فرق ہے شتان ما بینھما۔ اویس قرنی اگرچہ آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے باطن سے فیضیاب ہوئے ہیں اور ولایت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوئے ہیں لیکن صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے مرتبہ کو نہیں پہنچے اور خیر التابعین [تابعین میں بہتر] ہو گئے ہیں، جو محبت کہ آپ فقراء سے رکھتے ہیں اس کو بہت بڑی نعمت تصور فرمائیں اور اس نعمت میں اضافہ طلب کریں، المرء مع من احب
[آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے] آپ نے سنا ہوگا امید ہے کہ ان کے باطن سے کامل حصہ ۱۴۵
حاصل کریں گے اور فیضیاب ہوں گے، یہ حقیر اپنے اندر اس بات کی قابلیت نہیں پاتا کہ اس سے بہت بڑے کام کی درخواست کریں لیکن چونکہ آپ نے حسن ظن کی وجہ سے لکھا ہے امید ہے کہ اس ظن کے مطابق آپ کے ساتھ معاملہ فرمائیں گے اور ویرانہ سے کوئی خزانہ نکالیں گے، حدیث قدسی ہے انا عند ظن عبدی بی [میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں] بہر حال انشاء اللہ تعالیٰ غائبانہ توجہ سے مخلص اپنی جانب سے دریغ نہیں کرے گا، اوقات کو طاعات کے معمولات کے ساتھ استوار رکھیں اور لہو و لعب سے بچتے رہیں اور دنیا کی بے وفائی اور قبر و قیامت کے احوال کو مدنظر رکھیں اور نجات کو سنت کی پیروی

اور بدعت سے بچنے میں یقین کریں اور بدعتیوں اور ملحدوں کے ساتھ صحبت نہ رکھیں کہ وہ دین کے چور ہیں
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی حدیث ہے اھل البدع کلاب اھل النار [اہلِ بدعت اہلِ دوزخ کے
کتے ہیں] جو فقیر کہ شرعی طریقوں پر نہیں ہے اور سنت کے زیور سے آراستہ نہیں ہے اس کو اپنی مجلس میں آنے دینا
مختصر یہ ہے کہ وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَ مَا نَہٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ [اور رسول جو کچھ تم کو ط ۵۹ ع
دے تم اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے تم اس سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو] والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب ۹۰

صلاح آثار حافظ پیر محمد کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ وحدت کے طالب کو وحدانی ہونا چاہیے۔

الحمد للہ العلی الاعلیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ المصطفیٰ وعلیٰ آلہ وصحبہ البررۃ التقی،

مکتوب شریف پہنچا چونکہ اشواق و کیفیات پر مشتمل تھا اس لئے مسرت و شادمانی کا باعث ہوا حق سبحانہٗ
اس شوق کے شعلہ کو بھڑکائے اور محبت کی آگ کو سربلند کرے تاکہ کثیر در کثیر تعلقات سے کامل رہائی میسر آئے
اور وحدتِ حقیقی کا جمال پردہ کھول دے، وحدت اور کثرت ایک دوسرے کی ضد ہیں، سالک اگرچہ جہاتِ
کثرت اپنے ساتھ رکھتا ہے اور کثرت کے احکام میں اُلجھا ہوا ہے، وحدت سے دور و محروم ہے، وحدانی
ہونا چاہیئے طلب و محبت کی راہ سے بھی اور دید و دانش کی رُو سے بھی تاکہ وحدتِ ذاتی سے زیادہ قریب ہو جائے
اور حقیقی توحید تک پہنچ جائے التوحید اسقاط الاضافات [توحید اضافات کو ساقط کرنا ہی] والسلام اولاً وآخراً۔

مکتوب ۹۱

سیادت مآب سید محمد اسرائیل کے نام اس بیان میں کہ نفس کی شرارت عدم کی شرارت اور ابلیس کی شرارت
سے زیادہ ہے اور فنا و اطمینانِ نفس کی تحقیق اور عین واثر کے زائل ہونے کی توضیح کے بارے میں تحریر فرمایا۔ ط ۱۲۶

الحمد للہ ذی الانعام والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سید الانام وعلیٰ آلہ الکرام وصحبہ
العظام، اما بعد گرامی نامہ نے مشرف کیا، اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے کہ آپ عافیت کے ساتھ ہیں اور فقرا کی
محبت روز افزوں ہے اور ہمت کے پیش نظر اعلیٰ مطلب ہے، آپ نے شوق کی بات لکھی تھی، فقرا کو بھی
مشتاق جانیں بلکہ حدیث وانا الیھم لاشد شوقا [اور میں ان کی طرف بہت زیادہ شوق رکھتا ہوں] پڑھیں

کیونکہ جو کچھ اصل کی طرف منسوب ہے وہ زیادہ شدید اور زیادہ قوی ہے، فرع (شاخ) جو کچھ رکھتی ہے وہ اصل (جڑ) سے حاصل کئے ہوئے کمال کی قسم سے ہے، خود کسی چیز میں مستقل نہیں ہے اور اصل کے ساتھ کسی طرح کی برابری نہیں کر سکتی ہاں عدم ہے جو کہ اصل کے واسطے کے بغیر فرع کو نصیب ہے اور وہ شر و نقص ہے اور بذاتِ خود خیریت (بھلائی) کی ذرا بھی بو نہیں رکھتا اور اگر خیریت ہے تو وہ انعکاسی و عارضی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اس عارضی کمال کے باوجود خیر و کامل تصور کیا ہے اور امانت میں خیانت کی ہے اور شرارت پر شرارت بڑھائی ہے پس نفس کی شرارت (برائی) عدم کی شرارت سے بھی زیادہ ہے کیونکہ عدم ذاتی شرارت رکھتا اور اپنی نیستی و نامرادی کے ساتھ موافقت کئے ہوئے ہے اور نفس نے اس ذاتی شرارت کے باوجود جو کہ عدم کے واسطے سے اس کی ذات کی مانند ہو گئی ہے خیانت مذکورہ کے باعث انانیت (خودی) اور سرداری کا جنون اور اصل کے ساتھ شرکت کا دعویٰ پیدا کیا ہے اور اس راستے سے مولائے حقیقی تعالیٰ کی دشمنی پر قائم ہوا ہے، نفسِ امارہ کی حقیقت بھی اگرچہ عدم ہے اور شرارت کو اس سے کسب کر کے اس کا جانشین بیٹا بن گیا ہے لیکن جہلِ مرکب اور سرداری کے جنون کے ذریعہ سے جو کہ عدمِ مطلق سے اس کے امتیاز کا سبب ہے شرارت میں اپنے باپ اور مبدا سے سبقت لے گیا ہے اور شریر ہونے کا حق ادا کر دیا ہے، عدم بیچارہ اگر یوں اس کی شاگردی کرے اس حد تک نہیں پہنچ سکتا اور نیز اس شرارت و سرکشی میں اس کا استاد ابلیسِ لعین ہے لیکن وہ شرارت میں آگے نکل گیا اور سرکشی و انانیت (خودی) میں ابلیس سے کئی منزل آگے چلا گیا، ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ع ۱۲ [میں اس سے بہتر ہوں] کی صدا اس کے باطن سے نکلی اور بنی آدم کو بہکانے کے بعد اُن سے (اپنی) بریت ظاہر کی اور کہا إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ [بیشک میں تجھ سے بری ہوں بلاشبہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو کہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے] ع ۱۶ اور اس (نفس) نے خدائی کا دعویٰ کیا أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ [میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں] کہا، شتان ما بینہما [ان دونوں کے درمیان بہت فرق ہے]۔ ع ۲۴ ابلیس اس کا استاد ہونے کے باوجود اس کی شاگردی کے لائق ہے اور اس کا پیشوا ہونے کے باوجود اس کی پیروی کے قابل ہے، سبحان اللہ یہی (نفس) امارہ اس شرارت اور برائیوں کے باوجود اطمینان و شرح صدر حاصل ہونے کے بعد عالمِ امر کے لطائف کا جو کہ پاکی اور بلندی کے ساتھ موصوف ہیں سردار ہو جاتا ہے اور قرب و معرفت کے مدارج میں اُن پر فوقیت پیدا کر لیتا ہے۔ ہمارے حضرت عالی قدس اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے لکھا ہے کہ ۱۴۷ "(نفس) مطمئنہ شرح صدر حاصل ہونے کے بعد جو کہ ولایتِ کبریٰ (یعنی ولایتِ انبیائے کرام) کے لوازم سے

تے دفتر اول مکتوب ۲۶۰ حصہ چہارم فارسی صفحہ ۹۰۔

اپنے مقام سے عروج کر کے تختِ صدر[1] (سینہ) پر ترقی حاصل کر لیتا ہے اور وہاں تسلط قائم کر لیتا ہے اور قریب کے ممالک (مقامات) پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے، یہ تختِ صدر حقیقت میں مرتبۂ ولایتِ کبریٰ کے عروج کے تمام مقامات سے برتر ہے اس تخت پر متمکن ہونے والے کی نظر ابطنِ بطون (اصل الاصل) تک نفوذ کر جاتی ہے۔ اس (نفسِ) مطمئنہ کے لئے (اب) مخالفت کی گنجائش اور سرکشی کی مجال نہیں رہی ہے (کیونکہ اب) وہ کلی طور پر مطلوب کی طرف متوجہ اور پوری طرح مقصود میں مشغول ہے اس کا ارادہ پروردگار جل سلطانہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا نہیں ہے اور اس کا مطلب اس تعالیٰ شانہ کی طاعت و عبادت کے علاوہ کچھ نہیں ہے[2]" یہ ہے حضرت (قدس سرہ) کا کلام شریف۔

آپ نے لکھا تھا کہ "بعض وقت اپنے آپ کو اس طرح گم پاتا ہے کہ گویا بکھرا ہوا موہوم غبار ہے باطن جو کہ ظاہر کے لباس میں ملبوس ہے محض وہم و خیال کے سوا ادراک میں نہیں آتا، بعض اوقات (یہ فقیر) اگرچہ آنکھ کو ملتا ہے کہ شاید خیرگی کا اثر ہو اور نیز اسی طرح پر تکلم و استماع الخ" میرے مخدوم! یہ عدمیت کی دید جو اصل و ظل ہونے کے تعلق سے ہے مبارک و مسعود ہے اور وصول (پہنچنے) کی تمہید ہے بلکہ نفس وصول ہے کیونکہ جب تک نہیں پائے گا اس وقت تک رہائی (فنائیت) حاصل نہیں کرے گا، کسی بزرگ نے کہا ہے کہ میں ایسا عدم چاہتا ہوں کہ پھر کبھی واپس نہ آؤں۔ ذکر و فکر کا نتیجہ اور سیر و سلوک کا ثمرہ یہ ہے کہ سالک اپنی ذات کے عدم ہونے سے واقف ہو جائے اور (اپنی) ہستی اور اس کے تابع کمالات کو بالکل اصل سے جانے اور اصل کے سپرد کر دے، مولوی (معنوی) قدس سرہٗ نے کہا ہے ؎

چوں بدانستی کہ ظلِ کیستی ۔۔۔ فارغی گر مُردی و گر زیستی

[جب تو نے جان لیا کہ تو کس کا سایہ ہے تو پھر خواہ مردہ ہو یا زندہ ہو تو بے فکر ہے]

آپ نے عین و اثر کے زائل ہونے کے بارے میں جو یہ لکھا تھا کہ "یہ زوال و فنا کا معاملہ صفاتِ نفس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے نہ کہ اس کی ذات کے ساتھ کیونکہ اس کی ذات باقی ہے اور زائل و تبدیل ہونا صفات میں (ہوتا) ہے اور بس، اور صفات کی اس تبدیلی سے اس کی ذات کا تزکیہ و طہارت ہو جاتی ہے اور وہ اطمینان تک پہنچ جاتی ہے۔" بیشک تحقیق یہ ہے کہ فنا و بقا بری صفات تبدیل ہو جاتا ہے لیکن اس تحقیق کی صورت میں کہ افرادِ عالم سب کے سب اسماء و صفات کا ظہور میں کوئی ذات ان کے درمیان موجود نہیں ہے بس ذات کے بغیر ان سب کا وجود کلی طور پر وجوہ و اعتبارات ہوگا

---

[1] تزکیہ سے قبل نفس کی مرکزیت دماغ میں ہوتی ہے اور مطمئنہ ہونے کے بعد تختِ سینہ پر متمکن ہو جاتا ہے اور رضائے الٰہی کے مقام سے مشرف ہو جاتا ہے اور تمام مقدراتِ خداوندی کو برضا و رغبت قبول کر لیتا ہے (شرح مکتوبات قدسی آیات مولانا نصر اللہ خان صاحب)

[2] مکتوب مذکورہ (۲۶۰ م ۲) میں یہ عبارت چند سطور کے بعد ہے۔

۱۴۸ صفات کی فنا کی صورت میں عین واثر کا زائل ہونا حقیقت کے طور پر ہونا چاہیئے نہ کہ مجاز کے طور پر، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، شیخ محی الدین بن عربی (قدس سرہ) نے بھی عالم کو اعراضِ مجتمعہ (ایسے وجودوں کا مجموعہ جو جوہر کے بغیر قائم ہیں) کہا ہے پس ان کے مذہب پر بھی افرادِ عالم کے لئے ذات نہیں ہوگی اور اگر ہوگی تو اطلاق و تقیید کے طور پر اسی ذات جل وعلا کا وجود ہوگا پس افرادِ ممکنات یا محض اعراض ہیں یا ان اعراض سے اخذ کی ہوئی ذات ہیں، اگر (یہ) کہیں کہ نفس جیسا کہ صفاتِ رذیلہ رکھتا ہے ایسے ہی علم و قدرت و ارادت وغیرہ صفاتِ حمیدہ بھی رکھتا ہے پس صفاتِ ردیہ کے زائل ہو جانے کی صورت میں صفاتِ حمیدہ باقی ہیں جو کہ عین واثر کے زائل ہونے کے منافی ہیں۔" ہم (جواب میں) کہتے ہیں کہ جو چیز نفس کی ذاتی ہے وہ شرارت و نقص ہے اس میں صفاتِ کمال کا ہونا اس کا اپنا نہیں ہے بلکہ مرتبۂ وجوب سے مستعار ہے کہ اس نے ان کمالات کو جہالت کی وجہ سے اپنے ذاتی تصور کر لیا ہے اور اپنے آپ کو اس واسطہ سے خیر و کمال اور خیرات (بھلائیوں) کا مبدا جان لیا ہے اور اپنے مالک کے ساتھ شرکت کا دعوٰی پیدا کیا ہے اور امانت میں خیانت کی ہے پس اس کی حقیقت وہی جہلِ مرکب و علم کاذب ہے جو کہ اس کی شرارت و انانیت کا سبب بنا ہے۔ مولوی (رومی قدس سرہ) نے کہا ہے، ع

اے برادر تو ہمیں اندیشۂ الخ [اے بھائی! تو یہی وہم و خیال ہے]

بھلائی کی کچھ بھی بو اس کی ذات میں نہیں ہے پس جہلِ مرکب و غلبۂ دید عاریت کے فنا اور زائل ہونے کے بعد اس کا کوئی اثر نہیں رہتا اور حقیقت گویا بدل جاتی ہے اور انا رگی (سرکشی) سے اطمینان تک پہنچ جاتا ہے اور اکابر کے اس کلام سے جو کہ عین واثر کے فنا و زوال کے بارے میں آیا ہے یہی معنی قریب الفہم ہیں اور نصوص (آیات و احادیث) بھی اس کی نشاندہی سے خالی نہیں ہیں، من قتلتہ فانا دیتہ [جس کو میں قتل کرتا ہوں
انعام ۱۲۲ اس کا خون بہا میں خود ہوں] اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ [کیا ایسا نہیں ہے کہ جو شخص مردہ تھا ہم نے اس کو زندہ کر دیا] والسلام

مکتوب ۹۲

شیخ حسین منصور کے نام ان کے بلند احوال و اذواق کی شرح میں مع ولایتِ علیا کی بشارت کے تحریر فرمایا۔

اللہ تعالٰی مدارجِ قرب میں بے اندازہ ترقیات عطا فرمائے، مکتوب مرغوب جو آپ نے اس مسکین کے نام ارسال کیا تھا پہنچ کر مسرت کا باعث ہوا، آپ نے توجہات کی تاثیر کے بارے میں جو کہ طالبین کی بابت واقع ہوتی ہے اور اس امرِ عظیم پر قدرت و قوت کے بارے میں لکھا تھا، واضح ہوا، اللہ تعالٰی جل شانہٗ کا شکر

بجا لائیں اس کو نادر نعمت جانیں اور آیتِ کریمہ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ [جو اللہ چاہے ۱۸/۳۹
اللہ کے سوا کوئی قوت نہیں ہے] پڑھیں، لکھا ہوا تھا کہ "پہلے جب میں اپنے احوال کی چھان بین کرتا تھا اپنے ص ۱۴۹
آپ کو ولایتِ کبریٰ میں پاتا تھا اور اگرچہ فوق کی طرف متوجہ ہوتا تھا لیکن ہو نہیں سکتا تھا، مدتِ دراز تک اسی حال میں رہا اب جو متوجہ ہوتا ہوں تو اپنے آپ کو ولایتِ علیا میں پاتا ہوں بارہا غور کیا اور بار بار سوچا لیکن اس امر میں کوئی شک و شبہ پیش نہیں آتا۔" میرے مخدوم! یہ حال اور یہ دید اعلیٰ ہے بزرگوں نے کہا ہے کہ حال کے صحیح ہونے کی علامت کامل درجہ کا یقین حاصل ہوتا ہے فقیر بھی جب متوجہ ہوا تو آپ ہی کی دید کے مطابق پایا اور آپ کو اس ولایت میں ملاحظہ کیا اس پر اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اس کی حمد ہے، اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ "پہلے عالمِ امر کے لطائف کا عروج واقع ہوتا تھا اب عالمِ خلق کے لطائف میں بھی جو کہ نفس و عناصرِ اربعہ ہیں عروج معلوم ہوتا ہے۔" میرے مخدوم! یہ عروج جو کہ عالمِ خلق کے لطائف کے لئے ہے سابقہ دید (یعنی ولایتِ عُلیا) کی تائید کرنے والا ہے کیونکہ عالمِ خلق کے لطائف کا عروج ولایتِ عُلیا کے مناسب ہے سوائے لطیفہ خاک کے کہ اس کا کمال کمالاتِ نبوت سے وابستہ ہے اور لطیفۂ نفس عالمِ امر کے لطائف کی طرح ولایتِ کبریٰ میں فنا و بقا کے ساتھ مشرف ہو جاتا ہے اور اطمینان کے کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ولایتِ علیا میں ترقی بلا واسطہ طور پر عالمِ خلق کے لطائف میں سے تین عنصر یعنی عنصرِ آبی، عنصرِ ہوائی، عنصرِ ناری کا حصہ ہے، دوستوں سے دعا کی امید کی جاتی ہے، والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۹۳

بدر بیگ سمرقندی کے نام ذکر پر ہمیشگی کی ترغیب اور جو کچھ اس پر مرتب ہوتا ہے اس کے بارے میں تحریر فرمایا۔

حامداً للّٰہ العظیم و مصلیاً علیٰ رسولہ الکریم: اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور ایک لحظہ بھی اپنے بغیر نہ چھوڑے، جو مکتوب آپ نے محبت کی راہ سے ارسال کیا تھا اس نے پہنچ کر خوش وقت کیا، آئندہ بھی اسی طریق پر احوالِ نیک انجام لکھتے رہنا چاہئے کہ یہ غائبانہ توجہ کا سبب ہے۔ — بیوگان کے بارے میں آپ جو کچھ سعیِ جمیل کرتے ہیں وہ ثواب کا مقام ہے، حق سبحانہٗ جزائے خیر عطا فرمائے، جو واقعات آپ نے دیکھے اور لکھے تھے سب واضح اور اچھے ہیں مبشرات ہیں، اپنے کام میں مشغول رہیں، آپ نے باطن کے احوال اور ذکر و فکر اور جو کچھ اس پر مرتب ہوتا ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھا پہلے اس کو

لکھنا اور دوسری چیزوں کو تابع بنانا چاہیے۔ ع

طفیلِ دوست باشد ہر چہ باشد　[جو کچھ ہوتا ہے دوست کے طفیل میں ہوتا ہے] ص ۱۵۰

مختصر یہ ہے کہ ذکر پر اسقدر ہمیشگی کریں کہ ذکر و حضورِ دل کا ملکہ ہو جائے اور اس کی صفتِ لازمہ (طبیعتِ ثانیہ) بن جائے کہ نفی کرنے سے بھی اس کی نفی نہ ہو، اور ماسوائے مذکور (ماسوی اللہ) سینہ کی وسعت سے رخصت ہو جائے اور حق سبحانہ کے سوا اور کوئی مراد و مقصد نہ رہے۔ ع

ایں کارِ دولت است کنوں تا کرا دہند　[یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں]

دوستوں سے سلامتیٔ خاتمہ کی دعا کی امید کی گئی ہے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۹۴

خواجہ امان اللہ خواجہ محمد مومن برہانپوری کے نام فنائے قلب فنائے نفس کی تحقیق اور لا یذکر اللہ الا اللہ کی حقیقت اور حالتِ نماز کے غیر حالتِ نماز پر فوقیت رکھنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، سعادت آثار خواجہ امان اللہ نے، اللہ سبحانہ اس کو اپنی رضامندیوں کی توفیق بخشے، جس کاغذ (مکتوب) میں اپنے احوال واذواق و واقعات و مقامات تحریر کر کے اس مسکین کو بھیجا تھا اُس نے پہنچکر خوشوقت کیا اور اسی طرح جو کاغذ (مکتوب) کہ محبت اطوار خواجہ محمد مومن، اللہ تعالیٰ اس کی امیدوں کو پورا فرمائے کے احوال و واقعات پر مشتمل تھا وہ بھی مسرت افزا ہوا۔ دونوں عزیزوں کے احوال عمدہ اور کیفیات پسندیدہ اور واقعات و خواب واضح و مبارک ہیں، آپ حضرات نے فنائے قلب، فنائے نفس اور قلب و دماغ وہم و خیال سے خطرہ (وسوسہ) کے دور ہونے اور نیستی و عدمیت کی دید اور کلمۂ اَنَا کے مقام ورود کے زائل ہونے اور ذکر اور اس کے اثر کے نفی ہو جانے اور مذکور کے نہ پانے اور لا یذکر اللہ الا اللہ [اللہ کو اللہ ہی یاد کرتا ہے] کا مقام حاصل ہونے کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا واضح ہوا، آپ جانتے ہیں کہ لا یذکر اللہ الا اللہ کو وحدتِ وجود والے بھی کہتے ہیں اور فنائے اکمل کے بعد بھی یہ حالت پیش آتی ہے لیکن ان دونوں مقاموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وحدتِ وجود والے تعینِ امکانی کو حق کہتے ہیں اور اللہ اُن کے نزدیک اسی تعین پر اطلاق پاتا ہے اُس تعین کو اس حالت کے تحقق (پائے جانے) سے پہلے کسی دوسرے عنوان سے جانتے تھے اور اس حالت کے تحقق کے بعد اسی کو حقانیت کے عنوان کے ساتھ مشاہدہ کرتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے

ع بخواب اندر مگر موشے شتر شد [شاید کوئی چوہا خواب میں اونٹ ہوگیا]

ص ۱۵۱ اور ہم جس تعین کی گفتگو کر رہے ہیں اس میں فنائے اکمل کے بعد اس تعینِ (امکانی) کا کوئی اثر باقی نہیں رہا ہے اور ذکر و توجہ و حضور سب اس بارگاہِ قدس کی طرف منسوب ہوگئے ہیں اور ذکر کرنے والا بھی صحرائے عدم کی طرف کوچ کر گیا ہے۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے لا یذکر اللہ الا اللہ [اللہ کو اللہ ہی یاد کرتا ہے] کی حقیقت اس مقام میں صورت پذیر ہوتی ہے نہ کہ اس مقام میں کہ (وہاں) ذاکر کا وجود درمیان میں ہے اور لا اللہ کا اطلاق دوسرے پر اور نفی عنوان کی طرف راجع ہے اور آپ نے جو دماغ و وہم و خیال سے خطرہ دور ہو جانے کی بابت لکھا ہے غور طلب ہے، یہ تمام واقعات و احوال جو کہ آپ نے لکھے ہیں وساوس ہیں جو کہ وہم و خیال کی راہ سے (پیدا) ہو کر کاغذ کی سطح پر آئے ہیں یا کوئی اور چیز ہیں؟ جب تک یہ دنیا قائم ہے وہم و خیال کے چنگل سے رہائی پانا مشکل ہے البتہ جب اس عالم میں خلل آجاتا ہے اور موت کی ابتدائی حالت پیش آجاتی ہے تو احتمال ہے کہ وہم و خیال کے چنگل سے نجات میسر آجائے جیسا کہ مولوی روم قدس سرہ فرماتے ہیں ؂

من شدم عریاں زتن او از خیال می خرامم در نہایات الوصال

(میں بدن سے عاری ہوگیا اور وہ خیال دور ہوگیا اب میں وصال کی انتہاؤں میں محوِ خرام ہوں)

ہاں کاملین میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو کہ اس عالمِ فانی میں خیال کی قید سے رہائی اور وہم کے جال سے نجات پالیتے ہیں اور مطلوب کو خیال سے تراشے بغیر آغوش میں لے لیتے ہیں، جو کچھ دوسروں کے لئے کل (قیامت) پر وعدہ کیا گیا ہے ان بزرگوں کو آج (اس دنیا میں) حاصل ہے اور ایسے لوگ کم ہی ہیں ؂

اگرایں لحظہ ممکن کارِ شب نیست زبختِ مقبلاں ایں ہم عجب نیست

[اگرچہ اس وقت رات کا کام ممکن نہیں ہے (لیکن) اقبال مندوں کے نصیب سے یہ بھی عجب نہیں ہے]

ہاں خطرہ کا قلب سے رفع ہونا ممکن بلکہ واقع ہے اس مقام میں خطرہ قلب سے ایک طرح پر منتفی ہو جاتا ہے کہ اگر ایسے قلب والے کو ہزار سال کی عمر دیدیں تو اس نسیان کی وجہ سے جو کہ (اس کے) دل کو ماسوا سے حاصل ہوگیا ہے ہرگز کوئی خطرہ (اس کے) دل پر نہ آئے اور دنیا کی خوشی و رنج اس میں نہ سمائے، جاننا چاہئے کہ فنائے قلب تجلیٔ افعال کا نتیجہ ہے اور فنائے نفس تجلی صفات پر موقوف ہے اور اس فنا کا کمال تجلی ذات سے وابستہ ہے کیونکہ ہر مقام کا کمال اس مقام سے گذر جانے اور اوپر کے مقام تک پہنچ جانے سے مربوط ہے ان تجلیاتِ ثلاثہ (صفاتِ افعالیہ و صفاتِ ثبوتیہ و شیونِ ذاتیہ) میں سے ہر ایک کے

آثار و علامات جدا ہیں) اور ہر فنا کے احکام علیحدہ ہیں، اور ہر فنا میں امرِ معتبر و قدرِ مشترک یہ ہے کہ دائمی ہو،
جو فنا کہ دائمی نہ ہو وہ احاطۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "اسی روز سے جو نماز کہ یہ
۵۲ فقیر ادا کرتا ہے (اس میں) حلاوت و محبت و خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے خاص طور پر فرض نماز میں اور
کبھی کبھی ایسی حالت پیش آتی ہے کہ بیان میں نہیں آسکتی" بہت عمدہ اور بلند حالت ہے، نماز کی حالت کو
غیرِ نماز کی حالت پر فوقیت ہے نماز مومن کی معراج ہے اور اس کی حالت معراج کی حالت کے ساتھ
مناسبت رکھتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اس کے لئے جنت کے
دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس کے اور اس کے پروردگار کے درمیان کے پردے اٹھا دیئے جاتے
ہیں الحدیث۔ اور یہ جو آپ فنا حاصل ہونے کے بعد اپنے آپ کو نور پاتے ہیں اور نورانی دیکھتے ہیں (یہ)
بقا کے آثار میں سے ہے، آیتِ کریمہ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي
پ۸ ع۲ النَّاسِ الآیہ [کیا ایسا نہیں ہے کہ جو شخص مُردہ تھا تو ہم نے اس کو زندگی دی اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے
ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے] میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ والسلام علیکم و علیٰ سائر من اتبع الھدیٰ و
التزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات اتم التسلیمات والتحیات والبرکات العلیٰ۔

مکتوب ۹۵

سید علی بارہہ کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ عمل میں اخلاص اور اطمینانِ نفس صوفیائے کرام
کی صحبت سے وابستہ ہے۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد شرافت آثار کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس نواح کے
فقرا کے احوال حمد کے لائق ہیں، اللہ سبحانہٗ سے آپ کی عافیت اور شریعتِ عالیہ و سنتِ منورہ کے طریقہ
پر آپ کی استقامت کے لئے دعا کی گئی ہے۔ گرامی نامہ بہیج کر مسرت بخش ہوا، آپ نے شوقِ ملاقات کا
پ۱۳ ع۱۳ اظہار کیا تھا، وقت آنے پر موقوف ہے لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ [ہر کام کا وقت معین ہے] دنیا جدائی کی جگہ ہے
دعا کریں کہ حق سبحانہٗ آخرت میں جمع کرے اور اس تعالیٰ شانہٗ کے دیدار کا بھی آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے
پ۲۰ ع۱۵ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ [جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تمنا رکھتا ہے تو (معلوم کرے)
بیشک اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی وہ ساعت (موت) ضرور آنے والی ہے] موت آخرت کے مقدمات میں سے ہے جس چیز کا
آخرت کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے موت اس کی کھڑکی ہے، دنیا کھیتی سے زیادہ نہیں ہے عمل کی جگہ ہے

جسقدر عمل میں اخلاص کے ساتھ کوشش کی جائے اسی قدر آخرت کے ثمرات ونتائج زیادہ ہونے کی توقع اور قرب کے درجات بیشتر ہونے کی امید کی جاتی ہے عمل کتب شرعیہ کے مطابق ہونا چاہئے اور اخلاص عمل کی حقیقت جو کہ حقیقی اسلام واطمینانِ نفس پر موقوف ہے صوفیائے کرام کی صحبت کے ساتھ وابستہ ہے، اخلاص کے بغیر عمل بے روح کے جسم کی مانند ہے والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب ۹۶

۱۵۳ سید نور محمد کے نام معرفت پر رغبت دلانے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ:۔ جناب سیادت پناہ اس مسکین (کی جانب) سے سلام عاقبت انجام پڑھیں، جو مکتوب کہ آپ نے ازراہِ محبت ارسال کیا تھا اس نے پہنچ کر خوش وقت کیا چاہئے کہ اسی طریق پر اپنے ظاہر وباطن کے احوال لکھتے رہیں کہ یہ غائبانہ توجہ کا باعث ہے۔ میرے مخدوم! عمر کا بہترین حصہ جو کہ جوانی کا زمانہ ہے گزرا جا رہا ہے اور عمر کا سب سے زیادہ ناقص حصہ قریب آرہا ہے افسوس ہے کہ اشرف چیز کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے عمر کے سب سے ناقص حصہ کے حوالہ کیا جائے اور عمر کا اشرف حصہ سب سے ناقص چیز میں کہ ہوا وہوس اور زینتِ دنیا ہے صرف ہو جائے کہ اوقات کو ذکر وفکر کے ساتھ آباد رکھیں اور آخرت کا زادِ راہ تیار کریں۔ والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب ۹۷

مولانا جان محمد ورسکی کے نام ولایات سہ گانہ کی تحقیق اور اطمینانِ نفس کی حقیقت اور شرح صدر اور عالم امر وعالم خلق کے لطائف کے کمالات اور ہر شخص کے نصیب کے تعین اور کمالات نبوت کی تحقیق اور (کمالات) ولایت پر اس کی فضیلت کے بارے میں اور اذکار وتلاوتِ قرآن ونماز کے نتیجہ کے بیان اور اس مقام کے بیان میں کہ جس میں کمالات کا افاضہ محض فضل کے ساتھ ہے نہ کہ عمل کے ساتھ، اور اس مقام کے بیان میں جو کہ اس کے اوپر ہے تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، فضائل مآب برادرم مولانا محمد جان ورسکی جان لیں کہ فنائے نفس اور اس کا اطمینان کہ اسلامِ حقیقی جس کے ساتھ وابستہ ہے اگرچہ اس کی ابتدا ولایت صغریٰ

سی ہے لیکن اس کا کمال ولایتِ کبریٰ کے کمالات حاصل ہونے کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ اصولِ سہ گانہ چونکہ دائرۂ اسماء، وصفات وشیون واعتبارات سے اوپر ہیں کہ ولایتِ کبریٰ ان اصولِ سہ گانہ کے مجموعہ اور اس دائرہ سے عبارت ہے اور یہ دائرہ عالمِ امر کے پانچوں لطائف کے عروج کا منتہا ہے اس سے اوپر عالمِ امر کو اصالت کے طور پر (یعنی بلاواسطہ) گذر نہیں ہے، نفس ان سہ گانہ (اصول کے) کمالات سے امیدوار ہے، حقیقتِ اطمینان وشرح صدر اس مقام میں حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے حضرتِ عالی قدسنا اللہ سبحانہٗ بسرہ الاقدس نے لکھا ہے کہ "(نفس) مطمئنہ شرحِ صدر حاصل ہونے کے بعد جو کہ ولایتِ کبریٰ (یعنی ولایتِ انبیائے کرامؑ) کے لوازم سے ہے اپنے مقام سے عروج کر کے تختِ صدر (سینہ) پر ترقی کرتا ہے اور اس جگہ (لطائفِ عالمِ امر میں) تسلط قائم کر لیتا ہے اور قرب کے ممالک (مقاماتِ قرب) پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے اور یہ تختِ صدر حقیقت میں مرتبہ ولایتِ کبریٰ کے عروج کے تمام مقامات سے برتر ہے" اگر کہا جائے کہ نفس کا مقام دماغ میں ہے اور اس کو صدر (سینہ) پر فوقیت ہے اس کا صدر پر نیچے آنا بظاہر تنزل ہے اس کو ارتقا کس طرح کہہ سکتے ہیں، ہم جواب دیتے ہیں کہ دماغ کو اگرچہ صدر (سینہ) پر صورت وظاہر کے اعتبار سے فوقیت ہے لیکن حقیقت میں معاملہ برعکس ہے اور معنوی طور پر سینہ کو دماغ پر فوقیت ہے کیونکہ سر غرور وخودی وانانیت (سرکشی) کا محل ہے اور بڑائی، تکبر اور خیالاتِ فاسدہ کا مقام ہے اور سینہ ایمان والہام وواردات کا محل اور انوار واسرار کا مقام ہے، آیتِ کریمہ

ع ۳۹ ۲۲ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ [کیا پس جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور (ہدایت) پر ہے] اور حدیث النور اذا دخل الصدر انفسح الحدیث [جب نور سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ کھل جاتا ہے] اس پر دلیل ہے اور نفس جب اوصافِ رذیلہ سے پاک ہو جاتا ہے تو ہمسری اور انانیت (سرکشی) کے دعوٰی سے بری اور تائب ہو جاتا ہے اور

پ ۵ ع ۷ مطمئنہ ومقبول ہو جاتا ہے اور آیتِ کریمہ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا الآیۃ [اے ہمارے رب ہمیں اس ظالموں کی بستی سے نکال دے] کے مقتضا کے مطابق اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے اور گناہ کی زمین سے ہجرت کر جاتا ہے اور نیکوں کی ہمسائیگی جو کہ عالمِ امر کے لطائف ہیں اختیار کر لیتا ہے، خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الاسلام اذا فقهوا [تم میں سے جو لوگ جاہلیت میں بہتر ہیں وہ اسلام میں (آنے کے بعد بھی) بہتر ہیں جبکہ انہوں نے دین کو سمجھ لیا ہو] کے مطابق عالمِ امر کے لطائف کا سردار ہو جاتا ہے اور تختِ صدر (سینہ) پر قرار پکڑ کر تسلط قائم کر لیتا ہے، جب (نفس) اپنی ہستی وانانیت سے غربت نیستی میں آیا اور خواہشات وتعلقات سے خالی ویکسو ہو گیا اور ان چیزوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دیا

مکتوب ۹۹ جلد ۲ حصہ چہارم فارسی صفحہ ۱۵۴

اور موت اور عدم ہونے کے ساتھ موافقت کرلی تو حق تعالیٰ نے اُس کو اس عزت کے ساتھ نوازا اور
خلعتِ سلطنت کے ساتھ مشرف کر دیا فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا الروم ۵۰
[پس تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے]
اس وقت اوصافِ ذمیمہ اخلاقِ سیئہ (برے اخلاق) کی بجائے اوصافِ حمیدہ و اخلاقِ حسنہ اس کو عطا
ہو جاتے ہیں کہ اس سے نیکی کے سوا اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی اور وہ حق کی طرف بلاتا ہے فَأُولَٰئِكَ الفرقان ۷۰
يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا [یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے
بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے اور رحم کرنے والا ہے]۔

میرے مخدوم! یہ جو کچھ بیان ہوا انبیاء علیہم الصلوات والبرکات کی ولایت کے کمالات سے ہے
اور جو معاملہ کہ ان بزرگواروں کی نبوت سے تعلق رکھتا ہے وہ اس سے ماوراء ہے اور ان دونوں کمالات کے
۱۵۵ درمیان ایسی نسبت ہے جیسی کہ قطرہ کو دریائے محیط (سمندر) کے ساتھ ہے کیونکہ کمالاتِ ولایت اگرچہ
وہ انبیاء علیہم الصلوات ہی کی ولایت ہو کمالاتِ نبوت کے مقابل کسی شمار میں نہیں ہیں، سب سے پہلے
انبیاء کو دعوت دی گئی اور مقصود و خلاصہ تخلیق بھی یہی بزرگ ہیں، جو نعمت بھی آتی ہے انہی حضرات
علیہم التسلیمات کے لئے آتی ہے، اولیاء اللہ ان کے طفیلی اور اُن کا پس خوردہ کھانے والے ہیں، اولیاء کے
حق میں کمال یہ ہے کہ اپنے ایمان کو انبیاء (علیہم السلام) کے ساتھ درست کریں تاکہ کل کو (قیامت کے روز)
نجات پا جائیں اور ان کے جھنڈے کے سایہ میں جگہ حاصل کریں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا
الصافات ۱۷۳ لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝ [اور البتہ تحقیق ہمارے
ان بندوں کے لئے جو کہ پیغمبر ہیں ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے کہ بیشک وہی مدد کئے گئے ہیں اور بیشک
ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے] پس ان کی افضلیت نبوت کے تعلق سے ہونی چاہئے اور نبوت کو ولایت سے
افضل ہونا چاہئے اگرچہ ان بزرگوں ہی کی ولایت ہو، نبوت کے لئے ایک عروج ہے جو کہ حق تعالیٰ کی
طرف رخ رکھتا ہے اور ایک نزول ہے کہ اس کا رُخ مخلوق کی جانب ہے، جیسا کہ ولایت کیلئے (بھی)
ایک عروج اور ایک نزول ہے نہ یہ کہ ولایت رو بحق ہے اور نبوت رو بخلق جیسا کہ اکثر گمان کیا جاتا ہے
لے بھائی! کمالاتِ نبوت سے بہت زیادہ حصہ عالمِ خلق کے لئے ہے، عالمِ امر نے کمالاتِ ولایت سے
اپنا پورا حصہ حاصل کر لیا ہے اور فنا و بقا کو پہنچ گیا ہے اب عالمِ خلق کی باری آتی ہے اور اس کی پستی
اس کی بلندی کا سبب بن گئی ہے ؎

خاک شو خاک تا بروید گل کہ بجز خاک نیست مظہرِ گل
[بالکل مٹی ہو جا تاکہ پھول اُگیں کیونکہ مٹی کے بغیر پھول پیدا نہیں ہوتا]

جاننا چاہیے کہ عالمِ خلق کی کامل طہارت اور اس کا اعتدال اس کمال کے ساتھ وابستہ ہے اگرچہ ان لطائف میں سے بعض کو ولایتِ کبریٰ و ولایتِ علیا میں بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے لیکن مجموعی طور پر تمام لطائف کو اس عجیب مقام میں اعتدال حاصل ہوتا ہے اور ناری عنصر کہ جس کی طینت سے أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ [میں اس سے بہتر ہوں] کی صدا نکلتی ہے اور خاکی عنصر جو کہ دناءت و خست کے ساتھ متصف ہے (دونوں) ان رذائل سے پاک ہو جاتے اور اعتدال پر آجاتے ہیں۔ میرے مخدوم! قرآن مجید کی تلاوت اور نمازوں (نوافل) کا ادا کرنا اس مقام میں ترقی بخشنے والا اور فائدہ مند ہے جیسا کہ دوسرے اذکار یعنی کلمۂ طیبہ کا تکرار اور ذکر قلبی و مراقبہ سابقہ مقامات میں جو ولایتِ ثلاثہ (ولایاتِ اولیا و انبیا و ملائکہ) سے تعلق رکھتے ہیں نفع دیتے اور نتیجہ بخشنے والے ہیں، جب اس اعلیٰ مقام سے ترقی واقع ہوتی ہے تو اُس مقام میں کمالات کا حاصل ہونا محض (اللہ تعالیٰ کے) فضل و احسان سے ہوتا ہے اس مقام میں نہ عمل کا کوئی اثر ہے نہ اعتقاد کا، عارف اس مقام میں اپنے آپ کو شریعتِ منورہ کے دائرہ سے باہر دیکھتا ہے لیکن چونکہ شریعت اصل و بنیاد ہے اس لئے اس سے بے نیازی متصور نہیں ہے کیونکہ اگر بنیاد میں
خلل واقع ہو جائے تو اس کے درخت اور اس کی عمارات میں خلل اثر کرے گا اور جب معاملہ اس مقام سے ۱۵۶
بھی اوپر چلا جاتا ہے تو معاملہ فضل سے محبت کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور کمالات کا حاصل ہونا محبت (کی راہ) سے ہوتا ہے، تفضل و احسان اور بات ہے اور عشق و محبت اور بات ہے۔ ع

قلم این جا رسید و سر بشکست [قلم اس جگہ پہنچا اور (اس کی) نوک ٹوٹ گئی]

کوشش کریں کہ ان معانی کے ساتھ کچھ ایمان (یقین) حاصل کریں اور ہمت اس بات پر صرف کریں کہ محروموں کے لیس خوردہ سے (اپنی) استعداد کے مطابق حصہ پائیں، والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب ۹۸

حافظ محمد شریف لاہوری کے نام وعظ و نصیحت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ درجاتِ قرب میں بے اندازہ ترقیات نصیب فرمائے، گرامی نامہ نے پہنچ کر خوش وقت کیا اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے کہ آپ عافیت سے ہیں اور ضعف سے آرام ہے امید ہے کہ کلی طور پر آرام ہو جائے گا دل اکثر اوقات منتظر ہے۔ میرے مخدوم! مطیع و منقاد ہونا اور گردن جھکا دینا اور اپنے ارادہ سے پوری طرح رہائی حاصل کر لینا اور اس تعالیٰ شانہٗ کی مراد کے ساتھ قائم ہونا بندگی ہے، محبوب سے جو کچھ پہنچے

(وہ) محبوب و مرغوب ہے خواہ انعام ہو یا رنج و الم ہو، مُحب (اپنے) محبوب پر فدا ہے (محبوب کے) تمام افعال و کردار محب کی نظر میں حسین و عمدہ ہیں اور اس کی وفا و جفا لذت بخشنے والی ہے جو تلخی کہ اس (محبوب) کی طرف سے پہنچتی ہے (مُحب) اس کو قند کی طرح چاٹتا ہے اور شیریں کام ہو جاتا ہے ؎

مے تلخ ست جور گلعذاراں کہ ہر چندش خوری باشد گواراں

[حسینوں کا ظلم تلخ شراب (کی مانند) ہے کہ تو اس کو جسقدر پئے پسندیدہ ہے]

حدیث شریف میں ہے کہ "میں مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی قضا سے تعجب میں ہوں کہ اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کا حمد و شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا اور اس پر صبر کرتا ہے، مومن کو ہر چیز پر اجر (اچھا بدلہ) دیا جاتا ہے حتی کہ اس لقمہ پر بھی (اجر دیا جاتا ہے) جس کو وہ اپنی عورت کے منہ کی طرف اٹھاتا ہے"، والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۹۹

سید نور محمد کے نام نصائح اور یادداشت کے معنی کی تحقیق میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی: سیادت پناہ کا مکتوب مرغوب پہنچ کر مسرت افزا ہوا، اللہ سبحانہ کی حمد ہے کہ اوقات ذکر سے معمور ہیں اور ذکر نفی و اثبات پچیس (بار) تک پہنچ جاتا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر بجا لائیں اور زیادہ کے طالب رہیں اور ذکر و مراقبہ پر اسقدر مداومت کریں کہ ذکر دل کا ملکہ ہو جائے اور حضور اس کی صفت لازمہ ہو جائے اس حد تک کہ نفی کرنے سے نفی نہ ہو سکے اور یاد کرد کے تکلف سے رہائی پاکر یادداشت کی صورت پیدا ہو جائے، اور یہ جو کہا ہے کہ یادداشت کی صورت پیدا ہو جائے یہ اس لئے ہے کہ یادداشت کی حقیقت مقامات سلوک کی تکمیل سے تعلق رکھتی ہے اور کام کے نہایت تک پہنچنے سے مربوط ہے اور اس صورت کو جو کہ اندراج النہایت فی البدایت کا مقام بھی ہے یادداشت کہا گیا ہے جو کہ یاد کرد کے بالمقابل ہے۔ ؎

دارم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ حال در دل ز تو آرزو و در دیدہ خیال

[میں ہر جگہ ہر شخص کے ساتھ ہر حال میں دل کے اندر تیری آرزو اور آنکھ میں تیرا خیال رکھتا ہوں]

سنت کی پیروی میں کوشش کرتے رہیں اور بدعت اور اہل بدعت سے دور رہیں اور صالحین درویشوں اور پابند شرع لوگوں کی صحبت کی طرف راغب رہیں اور جس جگہ خلاف شرع (امر) دیکھیں اس سے گریز کریں اور الگ ہو جائیں۔

؎ با عاشقاں نشین و ہمہ عاشقی گزین با ہر کہ نیست عاشق ہرگز مشو قریں

[عاشقوں کے ساتھ بیٹھ اور پوری طرح سے عاشقی اختیار کر جو شخص کہ عاشق نہیں ہو تو ہرگز اس کے قریب نہ جا]

اور عاشقِ صادق وہ شخص ہے جو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر راسخ ہے آیۂ کریمہ قُلْ
(آل عمران ۳۱) اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا] اس معنی کی تائید کرتی ہے۔ والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب ۱۰۰

سیادت پناہ امیر خاں کے نام معرفت حاصل کرنے پر رغبت دلانے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل جو کہ آنکھ کی کجی سے پاک ہیں آپ کا مرتبہ بلند فرمائے اور آپ کے سینہ کو کھول دے اور آپ کے کام کو آسان کر دے، ع

از ہر چہ می رود سخنِ دوست خوشتر است [دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے]

میرے مخدوم و مکرم! ہم اور آپ سے اس دنیائے فانی میں جو کچھ مطالبہ کیا گیا ہے وہ بندگی کے وظائف کا ادا کرنا اور عبادات و طاعات کا حاصل کرنا اور سرِ تسلیم خم کر دینا ہے اور اہل اللہ کے نزدیک مسلّم ہے کہ عابد کا وجود جس عبادت کے درمیان ہے وہ ناقص ہے اور قبولِ خاص کے لائق نہیں ہے
(ص ۱۵۸) قبولیت کے لائق وہ عبادت ہے کہ عابد کا وجود جس کے درمیان میں نہ ہو، اور یہ معنی معرفت کے مترادف ہیں کیونکہ معرفت فنائی المعروف سے عبارت ہے پس عبادت کی حقیقت معرفت کے پائے جانے کے بغیر صورت پذیر نہیں ہے اور کمالِ طاعت فنا کے حاصل ہوئے بغیر ثابت نہیں ہے پس عقلمندوں اور داناؤں کے لئے ناگزیر ہے کہ معرفت حاصل کرنے میں دل و جان سے کوشش کریں اور جس جگہ سے بھی اس نعمت کی بو ان کے دماغ میں پہنچے اس کی طرف رجوع کریں ؎

از تست حجابِ تو یقیں است شرطِ ہمہ رہروان ہمیں است

[یہ یقینی بات ہے کہ تیرا حجاب تجھ ہی سے ہے تمام راستہ چلنے والوں کی شرط یہی ہے]

افسوس ہے کہ جس چیز کا اس شخص سے اس قلیل فرصت میں مطالبہ کیا گیا ہے وہ بجا نہیں لاتا اور دوسرے امور میں مشغول ہوتا ہے اور اس چیز کی تعمیر کرتا ہے جس کی تخریب (بربادی) مطلوب ہے، کل

(قیامت) کے روز کس منہ سے اس کی بے نیاز بارگاہ میں حاضر ہوگا اور کس حیلہ کے ساتھ عذر کی زبان کھولے گا، دوبارہ دنیا میں آنا نہیں ہے، ؎

ترسم کہ یار با ما نا آشنا بماند　　　تا دامنِ قیامت ایں غم بجا بماند

(میں ڈرتا ہوں کہ (مبادا) محبوب ہمارے حال سے نا آشنا ہی رہے (اور) یہ غم قیامت کے دامن تک ہمارے ساتھ رہے)

نبی کریمؐ اور آپ کی بزرگ آل علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے طفیل ظاہری و باطنی نعمت ترقی پذیر رہے۔

مکتوب ۱۰۱

سیادت و نقابت پناہ میرزا خاں کے نام ارسال کردہ رسالہ کے مطالعہ پر ترغیب دینے کے بارے میں جو کہ اذکار و ادعیہ کے فضائل پر مشتمل ہے اور طریقۂ انابت (سلوک) و طریقۂ اجتبار (جذبہ) کے درمیان فرق کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ و ارسالِ تحیات کے بعد سیادت و نقابت پناہ نجابت و معالی دستگاہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس نواح کے فقراء کے احوال و اطوار حمد کے لائق ہیں اللہ تعالیٰ سے آپ کی سلامتی اور شریعتِ عالیہ و سنتِ منورہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ پر آپ کی استقامت اور آپکے ظاہری و باطنی درجات کی ترقی کے لئے دعا کی گئی ہے، نامۂ نامی و مکتوب گرامی کے ورود سے مشرف ہوا، آپ سلامت رہیں۔ میرے مکرم! جن دعاؤں اور اذکار کی فقیر نے رہنمائی کی تھی اس عنوان کے ساتھ نہیں تھے کہ اس طریقہ کی شرائط میں سے ہیں اور طریقہ کا سلوک ان کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ اس لئے
۱۵۹ تھے کہ آپ خالی نہ رہیں اور صحبت حاصل ہونے تک اوقات آباد رہیں غفلت میں نہ گذریں۔ اس فقیر نے اذکار و ادعیۂ ماثورہ مؤقتہ و غیر مؤقتہ اور ان میں سے بعض کے فضائل کے بارے میں ایک رسالہ احادیث کی معتبر کتابوں سے لکھا ہے اس کی نقل بھجوائی ہے آپ مطالعہ فرمائیں گے اور اس میں سے جسقدر کر سکیں عمل میں لائیں گے، رسالہ کافی بڑا ہے فارسی زبان میں بہت سے فوائد پر مشتمل ہے اگر تمام رسالہ کو مطالعہ فرمائیں تو بہت بہتر ہوگا قُربِ کے سراپردوں کے اسرار کا ایک خزانہ ہے بارگاہِ قُدس کی کی منازل تک پہنچانے والا ایک سمندر ہے، کوئی غوطہ خور چاہیے جو کہ اس کی گہرائی سے جواہر نفیسہ نکالے اور کوئی تیراک چاہیے جو کہ اس میں تیر کر مطلوب کے شہر تک پہنچ جائے۔

اور آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ "اگرچہ اس کام کا مدار صحبت پر ہے لیکن اس سلسلۂ عالیہ میں غائبانہ بھی افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری رہا ہے جیسا کہ حضرت عالی (مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ) اور حضرت خواجہ جیو[1] قدسنا اللہ سبحانہ باسرارہما کے درمیان ارادت درست کرنے کے بعد افادہ و استفادہ کا طریقہ مراسلت (خط و کتابت) کے ذریعہ رہا اور وہی تحریریں ان کے سلوک کا باعث ہوتی تھیں"۔۔۔۔ میرے مشفق! ہمارے حضرت عالی (قدس سرہٗ) کے لئے مقاماتِ ولایت کے سلوک اور منازلِ قرب کے وصول کے بارے میں جو کچھ درکار تھا وہ سب خواجہ جیو کی خدمت میں رہتے ہوئے حاصل ہو گیا تھا اور کمال و تکمیل کے مراتب کا حصول اُن کی صحبتِ پُرنور میں میسر ہو گیا تھا جیسا کہ یہ بات اُن حضرتِ عالی (قدس سرہٗ) کے طریقِ قدیم کے بیان والے مکتوب سے واضح و روشن ہے، القصہ حاصل مطلب یہ ہے کہ سلوک پورا ہونے کے بعد جب گھر جانے کی اجازت فرمائی تو آپس میں خط و کتابت کا سلسلہ قائم ہوا تھا اور سوال و جواب ہوتے تھے کہ اس ضمن میں افادہ و استفادہ بھی پیش آتا ہوگا (جو) بحث سے خارج ہے کیونکہ (یہ سلسلہ) کمال اور مراتبِ سلوک حاصل ہونے کے بعد ہے لیکن اصل کمال حاصل ہونے اور سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لئے صحبت لازمی ہے ان دونوں بزرگوں کے درمیان طرفین سے یہ افادہ و استفادہ مراتبِ کمال کے حصول کے بعد رہا ہے جیسا کہ ان حضرات کے مکتوبات سے واضح ہے، اس کے باوجود ہمارے حضرتِ عالی محبوبیت کی نسبت رکھتے تھے اگر وہ صحبت کے بغیر غائبانہ طور پر بھی فیوض و برکات اخذ کریں تو گنجائش ہے، محبوبوں کا معاملہ جدا ہے ان کو اجتباء (جذبہ) کی راہ سے لیجاتے ہیں اور کشاں کشاں منزل پر پہنچا دیتے ہیں، ع

گر نہ آید بخوشی موئے کشانش آرند　　[اگر وہ خوشی سے نہیں آتا تو اس کو بال کھینچ کر لاتے ہیں]

اگر ظاہر میں پیر کا واسطہ نہ بھی ہو (تب بھی) ان کو لیجاتے ہیں اور راستہ میں نہیں چھوڑتے، مریدین انابت (توبہ و سلوک) کے راستہ سے جاتے ہیں اور وہ ظاہر میں پیر کی صحبت کے محتاج ہیں، خود جانے اور لیجانے میں بہت فرق ہے اور حضرتِ عالی (قدس سرہٗ) کی نسبتِ محبوبیت حضرت خواجہ جیو (باقی باللہ قدس سرہٗ) کے حضور میں تسلیم پا چکی تھی حضرت خواجہؒ حضرتِ عالیؒ کے بارے میں یہ اشعار پڑھتے تھے ؎

منہ ۱۶۰

عشقِ معشوقاں نہاں ست و ستیر　　عشقِ عاشق با دو صد طبل و نفیر
لیک عشقِ عاشقاں تن زہ کند　　عشقِ معشوقاں خوش و فربہ کند

[معشوقوں کا عشق کرنا خفیہ و پوشیدہ ہے (اور) عاشق کا عشق کرنا دو سو ڈھول اور نفیریوں کے ساتھ ہے

[1] حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ۔

لیکن عاشقوں کا عشق بدن کو کمان (کی طرح کمزور و ٹیڑھا) کر دیتا ہے (اور معشوقوں کا عشق خوش اور موٹا کرتا ہے)۔

اور یہ جو کچھ اس فقیر نے صحبت کی ترغیب پر لکھا ہے (یہ) انابت (سلوک) کے راستہ میں ہے کہ مرید کا راستہ یہی ہے اسی لئے لکھا ہے کہ ترقی غالب طور پر اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ اے میرے ملجا و مشفق وسعادت آثار! برادرم ملا عبد الخالق کو مستقبل قریب میں وطن روانہ کر دیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ، آپ طرفین کے استخارہ کی موافقت کے بعد مشارٌالیہ کے ساتھ مجلس رکھیں اور وہ جس چیز کی طرف رہنمائی کریں آپ اس پر عمل کریں، زبانی اوراد و اذکار ان کے مشورہ سے کریں، ہمارے طریقہ میں اوقات کو ذکر اور باطنی شغل میں جو کہ طریقہ کے استاد (پیر) سے اخذ کیا ہے مشغول رکھتے ہیں اور فرض و سنت کے علاوہ اجازت نہیں دیتے کہ اس شغل کے ماسوا کسی دوسری چیز میں مشغول ہو، اُس مہربان (آپ) کی عنایاتِ کریمانہ سے یہ امید کی جاتی ہے کہ اس ناکارہ کو سلامتیٔ خاتمہ کی دعا سے یاد کرتے رہیں گے۔ والسلام علیکم و علی سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفٰے علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات والبرکات العلیٰ،

مکتوب ۱۰۲

مخدوم زادہ عالی منقبت شیخ ابو القاسم کے نام بعض اُن احوال و اذواق کے جواب میں جو کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی سے تعلق رکھتے تھے اور اُن دو شبہات کے حل میں تحریر فرمایا جو کہ حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کئے تھے۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی، فرزندی ابو القاسم نے لکھا تھا کہ "میں ان دنوں میں اپنے آپ کو محض نور پاتا ہوں اور وہ نور اس قسم کی چمک و روشنی رکھتا ہے کہ باطن کی آنکھ اس کے مشاہدہ سے خیرہ ہو جاتی ہے دیکھ نہیں سکتی جیسا کہ ظاہری آنکھ آفتاب کے دیکھنے سے خیرہ ہو جاتی ہے اور اسی نور کو مخلوقات کا مسجود سمجھتا ہے"۔ اُس فرزند (آپ) کو معلوم ہو کہ یہ دید بقا کے آثار میں سے ہے جو کہ کامل فنا پر مرتب ہوتی ہے، آیت کریمہ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (کیا ایسا نہیں ہے کہ جو شخص مردہ تھا تو ہم نے اس کو زندگی دی اور اس کے لئے ہم نے نور بنایا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے) میں اس کی طرف ایک اشارہ ہے اور یہ بات کہ آپ اس نور کو مسجود الیہ جانتے ہیں اسم کے مسمّی کے ساتھ مشتبہ ہو جانے کی قسم سے ہے کیونکہ بقا اسم کے ساتھ ہوتی ہے اور (یہ) اصالت و ظلیت کے

تعلق سے اصول کے ساتھ متحقق ہوتا ہے اور مسجود الیہ مسمّیٰ ہے اور ایک مرتبہ ہے کہ وہاں سے اصل (بھی)
ص ۱۶۱ ظل کی طرح راستہ میں ہے لیکن چونکہ اسم مسمّیٰ کا آئینہ ہے اور شہود کے وقت میں آئینہ پوشیدہ ہے اور
ظاہر وہی (مسمّیٰ) ہے جو کہ آئینہ میں ہے (اس لئے سالک) اسم کے ساتھ متحقق ہونے کو ذات و مسمّیٰ کے ساتھ
متحقق ہونا سمجھتا ہے اور اسی اشتباہ اور آئینہ کے پوشیدہ ہو جانے کی وجہ سے صوفیہ کی ایک بہت بڑی
جماعت نے صفت کو عین ذات کہا ہے اور زیادتی کو علم کی طرف لوٹایا ہے اور حق یہ ہے کہ صفات خارج میں
وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں جیسا کہ اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم [اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے]
کا مذہب ہے۔ اور اس کے بعد آپ نے علیحدہ کاغذ پر جو یہ لکھا ہے کہ "میں حیرت میں تھا کہ اس دید کا منشا
(باعث) کیا ہے، آواز دی گئی کہ اس دید کا سبب یہ ہے کہ چونکہ تجھ کو حقیقتِ کعبہ کے ساتھ جو کہ نورِ صرف
اور مخلوقات کا مسجود الیہ ہے فنا و بقا حاصل ہو گئی ہے یہی وجہ ہے کہ تو اپنے آپ کو اس کا عین پاتا ہے
اور اس کی صفت کے ساتھ متصف سمجھتا ہے۔" واضح ہوا۔ جاننا چاہئے کہ یہ معاملہ اور یہ دید شہود سے
تعلق رکھتی ہے لیکن اس شہود پر بہت سے آثار مرتب ہوتے ہیں اور اس حقیقت کے ساتھ متحقق ہونا بہت
اعلیٰ بات ہے، اس تعالیٰ شانہ کے کرم سے بعید نہیں ہے کہ کسی نامراد کو اس مراد تک پہنچا دے اور اس دید
کے ساتھ مشرف فرما دے، ؎

می توانی کہ دہی اشکِ مرا حسنِ قبول　　اے کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانی را

[اے وہ ذات کہ تو نے بارش کے قطرہ کو موتی بنایا تو میرے آنسوؤں کو شرفِ قبولیت بخش سکتا ہے]

آپ نے لکھا تھا کہ "حضرت مجدد الف ثانی (قدس سرہ) نے مکتوباتِ جلد ثالث کے ایک مکتوب
میں تحقیق فرمائی ہے کہ جب عارف کا معاملہ ذاتِ بحت سے پڑتا ہے (تو) رویت کا تخیل سر کی آنکھ یا قلب
کی آنکھ سے نہیں ہوتا ہے انتہیٰ، پس اس صورت میں چاہئے کہ ذات تک وصول کا علم بھی نہ ہو کیونکہ علم کا
طریقہ ان دو امر سے باہر نہیں ہوگا۔" جواب: علم کے طریقہ کا آنکھ کی رویت یا دل کی رویت میں منحصر ہونا
غیر مسلّم ہے (بلکہ ہم جائز ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کسی شخص کو اس بے کیف وصول سے مشرف کرے اور اس وصول
کا ضروری علم اس میں پیدا کر دے اور کوئی رویت درمیان میں نہ آئے، بہت سے علوم بدیہی طور پر ہمارے
اندر پیدا ہوتے ہیں مثلاً بھوک، پیاس، حرارت، برودت (ٹھنڈک) اور صحت و بیماری کا علم اور ان کی
رویت قطعاً نہیں پائی جاتی۔ جو نابینا شخص کہ مکہ کے سفر پر جائے اور مکہ میں پہنچ جائے اس کو مکہ کا وصول
حاصل ہے اور رویت حاصل نہیں ہے، بیشک رویت علم کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے لیکن (اسی پر)

لہ فارسی نسخہ میں یہ عبارت درج ہے شاید یہ لفظ بداہت ہو۔ (مترجم)

انحصار نہیں ہے علم کے اسبابِ رویت کے علاوہ (بھی) ہیں جیسا کہ علمِ کلام کی کتابوں میں واضح کیا گیا ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "حضرت عالی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حقیقتِ صلوٰۃ سے اوپر مرتبۂ ذاتِ بحت ہے قدم کی وہاں گنجائش نہیں ہے لیکن اللہ سبحانہ کی حمد و ثنا ہے کہ نظر کو اس جگہ سے منع نہیں کیا گیا ہے اور استعداد کے مطابق گنجائش دی گئی ہے" اس تحریر اور سابقہ تحقیق کے درمیان مطابقت کی کیا صورت ہے۔" جان لیں کہ اس مقام میں نظر کا اطلاق تمثیل و تشبیہ و تنظیر کے طور پر ہے حقیقت کے طور پر نہیں ہے جیسا کہ اسی جلد کے ایک مکتوب میں انھوں (حضرت عالی قدس سرہ) نے لکھا ہے کہ "یہ جو اوپر مذکور ہوا کہ نظری وصول اصالت کے طور پر حضرت خلیل (علیہ السلام) کا حصہ ہے اور قدمی وصول اصالت کے طور پر حضرت حبیب علیہما الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے اس معنی میں نہیں ہے کہ وہاں شہود و مشاہدہ ہے اور یا قدم کی گنجایش ہے وہاں بال کی بھی گنجائش نہیں ہے قدم تو کیا ہوگا بلکہ ایسا وصول ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں ہے اگر صورتِ مثالیہ میں نظر کے اندر منقش ہو گیا تو (اس کو) وصولِ نظری کہتے ہیں اور اگر قدم کے ساتھ (ظاہر ہوا) تو وصولِ قدمی ہے ورنہ نظر و قدم اس بارگاہ سے دونوں بیخود و حیران ہیں۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ"۔

مکتوب ۱۰۳

سیادت پناہ میر مفاخر حسین کے نام اس بیان میں تحریر فرمایا کہ انفس آفاق کی طرح مطلوب کو پانے سے محروم ہے انفس سے بھی گذر جانا چاہیے تاکہ وصل کے گلستانوں سے کوئی پھول چن سکے۔

حمد و صلوٰۃ و ارسالِ تسلیمات کے بعد عرض ہے کہ جو مکتوب سیادت پناہ میر مفاخر حسین نے اس مسکین کے نام ارسال کیا تھا پہنچ کر مسرت بخش ہوا، جدائی کی روداد اور اشتیاق کی بات جس کی آپ نے اطلاع دی تھی واضح ہوئی، اللہ تعالیٰ اس شوق کے شعلہ کو مشتعل کرے تاکہ آفاق و انفس کی قید سے کلی طور پر رہا کر دے اور منتہائے مقصد تک پہنچا دے، مطلوب چونکہ آفاق و انفس سے ماوراء ہے (اسلئے) اس کے طالب کو بھی چاہیے کہ آفاق و انفس سے گذر جائے اور اپنے حصولی و حضوری علم سے باہر ہو جائے اس معنی میں نہیں کہ اپنے آپ کو حق تعالیٰ پائے کیونکہ یہ معاملہ (کیفیت) انفس کے ساتھ وابستہ ہے اور علمِ حضوری ابھی اپنی جگہ ہے لیکن اس نے اس کو حقانیت کے عنوان کے ساتھ جانا ہے انفس کو راستہ میں چھوڑ دینا اور علمِ حضوری (اپنی ذات کا علم) سے باہر ہو جانا عقل و خیال و فکر کی سوچ میں درست نہیں آتا اور مُدرِک (ادراک کرنے والے) پر مُدرَک (جس کا ادراک کیا جائے یعنی ادراک کرنے والے کی اپنی ذات)

کا عدمِ حضور محال معلوم ہوتا ہے اسی لئے صوفیائے کرام نے مطلوب کے حصول کو انفس میں منحصر جانا ہے اور اس کی سیر کو قرب در قرب فرمایا ہے اور انفس سے ماورا بات نہیں کی ہے، انھوں نے کہا ہے ؎

چوں جلوۂ آں جمال بیروں ز تو نیست   پا در دامان و سر بجیب اندر کش

[چونکہ اُس جمال کا جلوہ تجھ سے باہر نہیں ہے (اس لئے) تو پاؤں دامن میں اور سر گریبان کے اندر کھینچ لے]

۱۶۳ اور شہود آفاقی کا اعتبار نہیں کیا اور اس کی سیر کو بُعد در بُعد کہا ہے اور انفس سے باہر کو آفاق میں شمار کیا ہے بیشک انفس سے باہر بُعد کی جانب میں آفاق کے دائرے میں ہے لیکن دوسرا (یعنی اقربیت کا) معاملہ انفس سے باہر قرب کی جانب میں ہے اور آیتِ کریمہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ [ہم اس کے زیادہ قریب ہیں] میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ انفس اس معاملہ (اقربیت) کی بہ نسبت بُعد میں آفاق کا حکم رکھتا ہے، یافت (پانے) کی حقیقت اس مقام میں ہے انفس میں یافت کی صورت اور اس کا نمونہ ہے لیکن اس کا تصور کرنے میں عقل حیران ہے اور وہم و خیال اس کے تصور میں پریشان ہے اپنے سے زیادہ نزدیک کو نہیں پا سکتے اور قریب ہے کہ اس کے محال ہونے کا حکم لگائیں، آفاق و انفس وہم کی جولانگاہ ہیں مشکل ہے کہ اس مقام کا مشہود وہم کی تراش و خراش سے نجات پائے اور اس معاملہ میں وہم کے پر و بال شکستہ ہیں اور خیال راستہ میں رہ جاتا ہے، بیشک جب تک عقل کی سواری سے نیچے نہ اترے اور وہم و خیال کا ساتھ نہ چھوڑے اور محال کہنے کے دامن کو مضبوطی سے نہ پکڑے مطلوب کی خوشبو نہیں پائے گا اور وصل کے گلستانوں سے کوئی پھول نہیں چنے گا۔

آپ نے توجہ کی درخواست کی تھی، چونکہ باطنی رابطہ اور محبت کا رشتہ مضبوط ہے مشیتِ ایزدی سے حصول فیض کا راستہ کھلا ہوا ہے خاص طور پر جبکہ توجہ اس کے علاوہ ہو تو نورٌ علیٰ نور ہو گی، والسلام اولاً و آخراً، دوستوں سے دعا کی امید ہے۔

مکتوب ۱۰۲

سیادت پناہ میرزا خان کے نام اذکار و اوراد و اخذ طریقہ پر رغبت دلانے اور صحبت کی شرائط کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، میرے ملجا و مشفق! برادرم مولانا عبد الخالق کے پہنچنے اور باہم صحبت میسر آنے تک آپ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے ذکر میں بہت زیادہ مشغول رہیں اور کوشش کریں کہ حضور کے ساتھ کہا جائے کم از کم اسقدر (حضور) ہو جائے (کہنے والا یہ) جانے کہ میری

زبان سے کیا نکل رہا ہے ایک ہزار سے پانچ ہزار تک جسقدر ہو سکے کہیں۔ اور جو رسالہ بھیجا گیا ہے اگر ہو سکے تو اس کو اول سے آخر تک مطالعہ فرمائیں اور اس کے مواعظ و نصائح کو اچھی طرح غور کریں اور جسقدر بھی ہو سکے اور ہمت ساتھ دے عمل میں لائیں مالایدرک کلہ لایترک کلہ [جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے اس کا بالکل ترک نہیں کر دینا چاہیے] اوقاتِ معینہ کے اذکار پر سُرخ نقطے لگا دیئے گئے ہیں اگر ہو سکے تو ان کو عمل میں لائیں اور اگر اس سے بھی زیادہ اختیار کریں تو آپ مختار ہیں، اوقاتِ معینہ کے ان اذکار کے فضائل اختصار کے پیشِ نظر اس رسالہ میں ذکر نہیں کئے گئے ہیں، دوسرا رسالہ کہ جس میں اذکارِ اوقاتِ معینہ و غیر معینہ ۱۶۴ ص
کے فضائل مذکور ہیں اگر مل گیا تو اس کی نقل بھی بھیجدیں گے، اوقاتِ غیر معینہ کے اذکار کے فضائل اس رسالہ میں مذکور ہیں، مطالعہ کے بعد اُن میں سے جسقدر ہو سکے عمل میں لائیں آپ کو اختیار ہے، جب برادرم مشار الیہ (مولانا عبد الخالق) پہنچ جائیں تو اُن کے ساتھ مجلس رکھیں اور وہ جو شغل باطن بتائیں فقیر کی زبان ہی سے تصور فرمائیں اور ان کی پُر تاثیر صحبت و توجہ کو مؤثر و غنیمت جانیں اور صحبت کی شرائط کو اچھی طرح ملحوظ رکھیں اور طریقہ حاصل کرنے کے بعد کچھ عرصہ زبانی وظائف بند کر دیں اس کے بعد برادرم (مذکور) کے مشورہ سے تھوڑا تھوڑا پھر عمل میں لائیں، چند روزہ زندگی بہت قیمتی ہے چاہیے کہ اہم کاموں میں صرف ہو اور طالب ہونے کے لوازم کو بجا لائیں تاکہ مطلب کی طرف کوئی راستہ کھل جائے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار | بگذارند و سر طرۂ یارے گیرند

[میں مصلحت اس بات میں دیکھتا ہوں کہ یار دوست سب کام چھوڑ دیں اور ایک دوست کی زلف کے خیال میں لگ جائیں]

والسلام

مکتوب ۱۰۵

صوفی محمد زاہد حبیدی والا بیتی قدیم کے نام اُس شبہ کے حل میں تحریر فرمایا جو کہ انھوں نے واجب تعالیٰ کی صفات کی عینیت و غیریت پر کیا تھا اور یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے کس کو اختیار کیا ہے؟

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد (یہ فقیر) عرض کرتا ہے کہ آپ نے جو مکتوب مرغوب ان دنوں میں بھیجا تھا اس نے پہنچکر مسرور کیا، آپ نے باطنی حلاوت و جمعیت و درستی احوال اور روشن واقعات کے بارے میں لکھا تھا واضح ہوا، حق جل و علا کا شکر بجا لائیں، لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ [اگر تم شکر ادا ۱۴/۷
کروگے تو میں تم کو اور زیادہ دوں گا] ہمت کو بلند رکھیں اور جو کچھ حاصل ہو جائے (اس پر) قناعت نہ کریں۔

آپ نے لکھا تھا کہ "جو کچھ ذات کے ماسوا ہے وہ نفی کے تحت میں منتفی ہو جاتا ہے اور ذات میں

تصور ممنوع ہے پس اس تعالیٰ شانہٗ کی صفات یعنی علم و قدرت وغیرہما کو عینِ ذاتِ واجب جانے یا ذات سے خارج جانے، اگر عینِ ذات ہوں تو مرکب ہونا لازم آتا ہے اور اگر خارجِ ذات ہوں تو ذات کا محتاج ہونا لازم آتا ہے اور وہ عزّ برہانہٗ ان دونوں سے مبرا ہے سیرے مخدوم! صوفیائے کرام یعنی شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور ان کے متبعین صفات کو عینِ ذات کہتے ہیں اس معنی میں نہیں کہ دو چیزیں ہیں جو کہ آپس میں مرکب ہیں کہ ۱۹۵
اس میں مرکب ہونا لازم آئے بلکہ اس معنی میں ہیں کہ خارج میں موجود ذات تعالیٰ ہے اور صفات کا وجود ذات سبحانہٗ کے وجود پر زائد نہیں ہے اور جو کچھ صفات پر مترتب ہے وہ ذات پر مترتب ہے اور ذات عزّ شانہٗ جاننے دیکھنے اور سننے وغیرہ میں کافی ہے یعنی وہ اپنی ذات کے ساتھ جاننے والا اور اپنی ذات کے ساتھ دیکھنے والا سننے والا، ارادہ کرنے والا، قدرت رکھنے والا، زندہ کرنے والا اور کلام کرنے والا ہے، نہ کہ صفات کے ساتھ اور اس تحقیق پر مرکب ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ اور اہلِ سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ صفات عینِ ذات نہیں ہیں بلکہ ذات تعالیٰ کے وجود پر وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں اور اس مذہب پر احتیاج کا شبہ وارد ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی دوسرے کا محتاج ہونا (اللہ تعالیٰ کے حق میں) ناقابلِ تسلیم ہے اور صفات غیرِ ذات نہیں ہیں جیسا کہ عینِ ذات تعالیٰ (بھی) نہیں ہیں کیونکہ ان کا ذات سے جدا ہونا محال ہے، اور حضرت عالی (قدس سرہٗ) نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ حق جلّ و علا کی صفات اس سبحانہٗ کی ذات پر زائد ہیں اس کے باوجود صفات کے لئے ایک مرتبہ ہے کہ اس مرتبہ میں جو کچھ صفات پر مترتب ہے ذات پر بھی مترتب ہے، اس مرتبہ میں صفات ذاتِ تعالیٰ میں محض اعتبارات ہیں اور وہ (حضرت مجدد رحمۃ اللہ) ان اعتباراتِ ذاتیہ کو شیونِ ذاتیہ فرماتے ہیں اور یہ شیون صفات کے اصول ہیں اس بات کو مان لینے کی صورت میں صفات کا اثبات بھی ہو جاتا ہے اور احتیاج کا شبہ بھی بالکل ہٹ جاتا ہے، اور صوفیہ کے مذہب پر صفات کی نفی لازم آتی ہے اور علماء کے مذہب پر احتیاج کا شبہ پوری طرح زائل نہیں ہوتا کیونکہ صفات سے غیریت کی نفی اصطلاحی معنی میں ہو جاتی ہے جو کہ جدا ہونے کا جواز ہو گی نہ مطلق غیریت، اگر کہیں کہ جب صفات پر جو کچھ مترتب ہے ذات پر بھی مترتب ہے اور صفات کے آثار مرتب ہونے میں ذات کافی ہے تو پھر ہم صفاتِ زائدہ کا اثبات کیوں کریں اور بلا ضرورت ذواتِ قدیم کے تعدد کے قائل کیوں ہوں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں عمدہ چیز کشف و الہام ہے جو کہ وحی خفی ہے اور اہل اللہ اس کے ساتھ ممتاز ہیں، (یہ کشف و الہام) وحی و اجتہاد سے ماورا ہے اور حدیث اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ [تم مومن کی فراست سے ڈرو پس بیشک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے] میں اس کی طرف اشارہ ہے، اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ صفات کے اثبات سے چارہ نہیں ہے تاکہ اہلِ سنت و جماعت کی مخالفت نہ ہو، انھوں (اہلِ سنت و جماعت) نے

کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو قادر و علیم فرمایا ہے اور مشتق کو شئے مقتضی پر محمول کرنا اُس شئے کے اشتقاق کے ماخذ کا ثبوت ہے پس علم و قدرت کے ثبوت سے چارہ نہیں ہوگا اگرچہ یہ دلیل اعتراض سے خالی نہیں ہے لیکن ان کا مذہب اس دلیل پر مبنی نہیں ہے (بلکہ) مشکوٰۃ نبوت علیٰ اربابہا الصلوات والتسلیمات و البرکات کے انوار سے لیا گیا ہے اور کمالاتِ ذاتیہ کا اثبات بھی جو کہ شیونِ ذاتیہ ہیں ناگزیر ہے تاکہ مرتبہ ذات اقدس کا ان کمالات سے خالی ہونا لازم نہ آئے اور احتیاج کی بُو سے پاک ہو۔ ہمارے حضرت عالی (قدس سرہٗ) ۱۲۶
نے لکھا ہے کہ علم جو کہ زائد صفت ہے اس کا متعلق ماسوائے ذات تعالیٰ ہے پس وہ ذاتِ سبحانہٗ کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ جس چیز نے زیادتی کا نام پیدا کیا ہے وہ اس مقدس مرتبہ کے لائق نہیں ہے اور اُس بارگاہ عالی سے متعلق نہیں ہو سکتی اور جو علم کہ ذاتِ مقدس و مبارک کا کمال ہے وہ اس علم سے بہت برتر ہے جو کہ ماسوائے متعلق ہے اور کوئی مناسبت عالم کے ساتھ نہیں رکھتا افسوس در افسوس جبکہ ذاتِ واجب کا علم جو کہ قدم کے ساتھ موصوف ہے مرتبۂ ذات کے لائق نہیں ہوتا اور اُس بارگاہِ قدس سے متعلق نہیں ہو سکتا تو ممکن کا علم جو کہ حدوث کے داغ سے داغدار ہے کس طرح اس مرتبۂ مقدس سے متعلق ہوگا اور کونسی مناسبت رکھتا ہوگا اور جہل و یاس کے سوا کیا نصیب ہوگا کسی نے خوب کہا ہے ؎

کو غبارِ ناقۂ لیلیٰ کہ مجنوں سالہا   چشم برہ داشت گردے از بیاباں بر نخاست

[لیلیٰ کی اونٹنی کا غبار کہاں ہے کیونکہ مجنوں کئی سال تک چشم براہ رہا (لیکن) صحرا سے کوئی گرد نہیں اٹھی]

مگر یہ کہ بندہ پروری کے طریق پر فنائے کامل کے بعد علم کے ساتھ متحقق ہونے کے باعث انکشاف ذاتی کے ساتھ بقا حاصل ہو جائے اور سالک کو ظلال اور اصل کے مراتب طے کرا دیئے جائیں اور وہ اس وقت اُس انکشاف کی طرح اُس مرتبۂ عالیہ کے ساتھ بے کیف تعلق پیدا کرلے اور اُس جگہ پہنچ جائے کہ عقل وہاں سے پیچھے رہ جائے۔

مکتوب ۱۰۶

مولانا برخوردار کابلی کے نام واقعہ کی تعریف اور غائبانہ طریقہ طلب کرنے کی درخواست اور ضروری نصیحتوں کے بارے میں اور اس بات کے حل میں کہ بیش قیمت لباس پہننا سالک کے شغل کا مانع ہے یا نہیں اور باوجودیکہ خمیصہ (ایک عمدہ قسم کا لباس) کو انبجانیہ (ایک قسم کا معمولی لباس) سے بدلنے کی حدیث اور چپل کا تسمہ بدلنے کی حدیث سے اس (عمدہ لباس) کا منع ہونا مفہوم

ہوتا ہے اور اس بیان میں کہ ظالموں اور بدعتیوں کے گھر سے کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں اور اس بیان میں کہ اس طریقہ میں پیری و مریدی کرنا بدعت ہے یا نہیں۔

الحمد للہ العلی الاعلیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی خصوصاً علیٰ سید الوریٰ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ الہ وصحبہ البررۃ التقی نجوم الھدیٰ، اما بعد، آپ نے جو مکتوب مرغوب اس مسکین کے نام ارسال کیا تھا اس کے موصول ہونے سے مشرف و شادماں ہوا، آپ نے مطلب اعلیٰ کی طلب اور مقصدِ اقصیٰ کے شوق کا جو اظہار کیا تھا وہ نیک و مبارک ہے اللہ تعالیٰ طلب کی آگ کو بھڑکائے اور شوق کے شعلہ کو بلند کرے تاکہ ماسوا سے پوری طرح رہائی دلادے اور قرب و معرفت ۱۶۷ کے سراپردے تک پہنچائے انہ قریب مجیب [بیشک وہ قریب ہے (اور) قبول کرنے والا ہے] آپ نے جو واقعہ دیکھا اور لکھا تھا واضح ہوا، روشن ہے اور باطنی مناسبت کا پتہ اور فیض کے پہنچنے کی خبر دیتا ہے آپ نے ذکر کی استدعا کی تھی تاکہ ملاقات حاصل ہونے تک اسی میں مشغول رہیں۔ میرے مخدوم ہمارے طریقہ کا مدار صحبت پر ہے بہرحال ملاقات حاصل ہونے تک کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے تکرار میں مشغول رہیں اور اس ذکر کو جسقدر بھی ہو سکیں دل کی موافقت کے ساتھ کہیں اگر خلوت میں کہا جائے تو بہتر ہے یہ کلمۂ مبارک باطن کو پاک کرنے میں بہت بڑی تاثیر رکھتا ہے اس کا ایک جزو حق جل وعلا کے ماسویٰ کی نفی کرتا ہے اور دوسرا جزو معبودِ حقیقی کا اثبات کرتا ہے جو کہ سیر و سلوک کا حاصل ہے، حدیث شریف میں آیا ہے افضل الذکر لا الہ الا اللہ [سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے]، گوشہ نشینی کی طرف رغبت رکھیں اور عبادت پر حریص رہیں اور نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو مضبوطی سے پکڑیں اور بدعت سے بچتے رہیں اور خلافِ شرع امور سے دور رہیں، کسی بزرگ نے کہا ہے کہ اعمالِ خیر تو اچھا و برا (ہر شخص) کرتا ہے اور گناہوں سے صرف صدیق (بہت سچا آدمی) بچتا ہے اور اس مسکین کو خاتمہ کی سلامتی کی دعا کے ساتھ یاد رکھیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ "لباس میں تکلف کرنا اگرچہ حلال طریقہ سے ہو سالک کے شغل کا مانع ہوتا ہے یا نہیں اور خمیصہ (ایک قسم کا قیمتی کپڑا) کو انبجانیہ (ایک قسم کا معمولی کپڑا) کے ساتھ بدلنے کی حدیث اور چپل کا تسمہ بدلنے کی حدیث اس کے مانع ہونے پر صراحتاً دلالت کرتی ہے کیونکہ جب (ماسوی اللہ سے) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلی عدمِ تعلق کے باوجود آپ کی توجہ کا مانع ہو تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیر کے حق میں کیسے (جائز) ہوگا"۔ آپ جان لیں کہ جو سالک اکمل فنا کے ساتھ مشرف ہو چکا ہے اور ماسوا کو کلی طور پر بھلا چکا ہے بظاہر میں مشغول ہونا اور قیمتی لباس پہننا اس کے حق میں باطن کے شغل کا

مانع نہیں ہے کیونکہ باطن اس وقت میں ظاہر سے منقطع ہو چکا ہے اور اس (ظاہر) کا غافل و مشغول ہونا اس (باطن) میں اثر نہیں کرتا اور نیند و بیداری باطن کے حضور و آگاہی میں یکساں ہو جاتی ہے اس وقت دل کو ماسوا سے اس قسم کا نسیان ہو جاتا ہے کہ اگر کئی سال تک ماسوا کو یاد کرے تو اس استغراق و فنائیت کے واسطے سے جو کہ اس نے مطلوب میں پیدا کرلی ہے اس کو یاد نہ آئے اور دل میں اس (ماسوا) کا خیال نہ گذرے ہاں جس سالک نے کہ اس کے حضور و دوام کا ملکہ حاصل نہیں کیا ہے اگر اس کے حق میں شغل (حضورِ قلب) کا مانع ہو تو گنجائش رکھتا ہے کیونکہ اس کا ظاہر باطن کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ایک کی غفلت دوسرے میں سرایت کرتی ہے، قیمتی لباس کو مطلق طور پر شغل کا مانع کس طرح کہا جا سکتا ہے اور حالانکہ اکابرِ دین اور سلفِ صالحین مثل ائمہ اہل بیت و امام ابو حنیفہ و شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہم (رضی اللہ عنہم) نے قیمتی لباس پہنا ہے اور سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ و علیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات سے بھی منقول ہے، خزانۃ الروایۃ و مطالب المومنین میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ کسی بزرگ سے دنیا کی زینت و تجمل کے بارے میں پوچھا گیا انھوں نے کہا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ کے اوپر ایک چادر تھی جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی اور اکثر آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نماز کے لئے کھڑے ہوتے (اور) آپ کے اوپر چار ہزار درہم قیمت کی چادر ہوتی تھی اور ایک روز آپ کے اصحاب میں سے کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے اوپر ایک قیمتی چادر تھی پس آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو کوئی نعمت دیتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس بندہ پر اُس کی نعمت کے آثار دیکھے جائیں اور (امام) ابو حنیفہ (رضی اللہ عنہ) ایسی چادر اوڑھتے تھے جس کی قیمت چار سو دینار ہوتی تھی اور (امام) ابو حنیفہؒ اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے کہ جب تم اپنے وطنوں کو واپس جاؤ تو تم پر لازم ہے کہ نفیس لباس پہنا کرو اور تم پر حقیر لباس سے پرہیز کرنا ضروری ہے ورنہ لوگ تمہاری طرف (غریب سمجھ کر) ترس کی نظر سے دیکھیں گے پس وہ (امام ابو حنیفہؒ) اپنے زہد و تقویٰ کے باوجود ان (شاگردوں) کو اس بات کی وصیت کرتے تھے۔ ابنِ حجر مکی نے رسالہ مناقب امام ابو حنیفہؒ میں لباس کی فصل میں بیان کیا ہے کہ نضر نے کہا (امام) ابو حنیفہؒ نے جب ایک دفعہ سوار ہونے (سفر) کا ارادہ کیا تو مجھ سے فرمایا کہ تو اپنی چادر مجھے دیدے اور میری چادر لے لے پس میں نے ایسا کیا پھر جب وہ واپس آئے تو مجھ سے فرمایا کہ تو نے اپنی موٹی چادر کے ساتھ مجھ کو شرمندہ کیا اور (حالانکہ وہ چادر) پانچ دینار کی تھی پھر میں نے اُن کے اوپر ایک چادر دیکھی جس کی قیمت تیس دینار تھی اور اُن کی

ے مظاہر حق جلد ۳ ص ۵۳۵ پر اسی معنی کی حدیث ہے۔

چادر و قمیص کی قیمت کا اندازہ چار سو درہم کیا گیا ہے۔ مطالب المومنین میں شرعۃ الاسلام سے منقول ہے کہ لباسِ فاخرہ کے پہننے میں مضائقہ نہیں ہے جبکہ وہ اس کی وجہ سے تکبر و فخر نہ کرے کیونکہ تکبر حرام ہے اور اس (تکبر نہ کرنے) کی تفسیر یہ ہے کہ اس (لباس) کے ساتھ بھی وہ ایسا ہی ہو جیسا کہ اس (کے پہننے) سے پہلے تھا۔ خزانۃ الروایۃ میں ہے کہ آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میرے پاس راہبوں (تارک الدنیا لوگوں) کے کپڑوں میں آتے ہو اور حالانکہ تمہارے دل بھیڑیوں کے دلوں جیسے (سخت) ہیں، بادشاہوں کے لباس[1] پہنو اور اللہ تعالیٰ کے خوف کے ساتھ اپنے دلوں کو نرم کرو۔ ابنِ سلمہ نے ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ لوگوں نے لباس و پینے اور سواری اور کھانے کی چیزوں کے بارے میں جو کچھ اختیار کیا ہوا ہے اس میں آپ کی کیا رائے ہے تو انھوں نے مجھ سے فرمایا، اے میرے بھائی! اللہ کے لئے کھا اور اللہ تعالےٰ کے لئے پی اور اللہ کے لئے پہن اور ان میں سے جس چیز میں فخر یا دکھانے یا سنانے کے لئے کرنا[2] پایا جائے تو یہ گناہ ہے، اور محمد بن حسن (رضی اللہ عنہما) نفیس کپڑے پہنتے تھے پس ان کو اس کے بارے میں کہا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میری بیویاں نوعمر ہیں پس میں اپنے آپ کو زیب و زینت میں رکھتا ہوں تاکہ وہ میرے سوا کسی غیر کی طرف نظر نہ کریں۔ اور (یہ) حدیث شریف "بیشک اللہ[3] جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے، اور چاہتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندہ پر دیکھا جائے" قادر ہونے کی صورت میں مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہے م ۶۹

اور حدیث خمیصہ[4] کی انبجانیہ سے تبدیلی والی حدیث نماز کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور نماز میں ظاہری خشوع بھی جو کہ مثلاً نظر کو سجدہ کی جگہ پر ٹھہرانے سے عبارت ہے مطلوب ہے اس بنا پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

---

[1] و لنعم ما قیل، درویش صفت باش و کلاہ تتری دار۔ [2] مظاہر حق جلد ۴ ص ۱۷۷۔

[3] مظاہر حق جلد ۳ ص ۵۳۷ و ۵۴۵ پر اسی معنی کی حدیث ہے۔

[4] پوری حدیث کا اردو ترجمہ یہ ہے "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمیصہ (ایک منقش چادر) اوڑھ کر نماز پڑھی اس خمیصہ میں نقش و نگار تھے پس نماز کی حالت میں آپ کی نظر ان نقش و نگار پر پڑی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میری اس خمیصہ کو ابوجہم کے پاس لیجاؤ اور اس کی انبجانی (ایک قسم کی سادہ کملی) میرے پاس لے آؤ کیونکہ اس خمیصہ نے مجھ کو اسوقت میری نماز میں حضورِ قلب سے باز رکھا اس حدیث کو امام بخاریؒ و امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور امام بخاریؒ کی روایت میں ہے کہ میں اس کے نقش و نگار کو دیکھتا تھا اور میں نماز میں تھا پس میں نے خوف کیا کہ یہ مجھ کو (یعنی میرے حضورِ قلب کو) خلل میں نہ ڈالے" خمیصہ اون یا ریشم کی سیاہ رنگ کی چادر کو کہتے ہیں جس میں خطوط یا نقش و نگار ہوتے ہیں۔ اور ایک صحابی نے جن کا نام ابوجہم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہدیۃً پیش کی تھی اس کو اوڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور انبجانیہ ایک سادی کملی تھی جس میں بیل بوٹے وغیرہ نہیں تھے یہ انبجان شہر میں بنی تھی جو شام میں ہے اور اسی شہر کی طرف منسوب ہے، ابوجہم رضی اللہ عنہ سے انبجانیہ کو اس لئے طلب فرمایا تاکہ ان کا ہدیہ واپس ہونے سے ان کی دل شکنی نہ ہو (واللہ اعلم بالصواب) مترجم

خمیصہ کو انبجانیہ کے ساتھ) تبدیل فرمایا کہ مبادا اس خشوع کا مانع ہو۔

جاننا چاہیے کہ اس حدیث کے راویوں نے (اس کو) دو طرح پر روایت کیا ہے، پہلے طریق میں فانها الهتني انفا عن صلوتي [پس بیشک اس نے مجھ کو اس وقت میری نماز (میں حضور قلب) سے باز رکھا] آیا ہے اور دوسرے طریق میں اخاف ان يفتنني [میں ڈرتا ہوں کہ یہ مجھ کو (یعنی میرے قلب کو) خلل میں نہ ڈالدے] وارد ہوا ہے۔ شارحین حدیث نے کہا ہے کہ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کوئی چیز واقع نہیں ہوئی بلکہ واقع ہونے کا خوف تھا، پس پہلی روایت کو اس روایت کی طرف لوٹانا چاہیے اور لہو (عدم توجہ) کو خوفِ لہو پر محمول کرنا چاہیے تاکہ دونوں روایتوں میں مطابقت حاصل ہو جائے۔ ابن حجرؒ شارح بخاری فرماتے ہیں "اور اس کو خمیصہ دیکر ابو جہم کے پاس بھیجنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس کو نماز میں استعمال کرے اور احتمال ہے کہ یہ آپ کے اس قول کی طرح ہو کہ "تو کھا پس بیشک میں اُس ذات (اللہ یا فرشتہ) سے سرگوشی کرتا ہوں جس کے ساتھ تو سرگوشی نہیں کرتا" یہ توجیہ اس بات پر مبنی ہے کہ یہ آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ پہلی توجیہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا پہننا اگر مکروہ تھا تو نماز میں تھا نہ کہ نماز کے علاوہ، اسی لئے (فقہا نے) کہا ہے کہ اس حدیث سے رنگ و نقش و نگار وغیرہ ہر چیز کے مکروہ ہونے کا استنباط کیا جاتا ہے جو کہ نماز (میں حضور قلب) سے باز رکھے۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ ابن حجرؒ نے ہمارے بعض ائمہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص اس (نقش و نگار کی جگہ) میں یا اس کی طرف یا اس پر نماز پڑھے تو اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کو بند رکھے تاکہ وہ اس کے خشوع و حضور میں خلل انداز نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اُن (ابن حجر) کا بیان پہلے گذر چکا ہے کہ اس (نقش و نگار کی جگہ) میں یا اس کی طرف یا اس پر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور نماز میں آنکھوں کو بند رکھنا (بھی) مکروہات میں سے ہے تو مکروہ کو دور کرنے کے لئے مکروہ (کا ارتکاب) کیسے مسنون ہوگا جبکہ مکروہ اس کے ساتھ (بھی) دور نہیں ہوگا۔

سوال:۔ حدیث کے لفظ سے جو کہ دوسری روایت میں آیا ہے کہ "میں اُس کے نقش و نگار کی طرف دیکھتا تھا اور میں نماز میں تھا پس ڈرتا ہوں کہ یہ مجھ کو خلل میں ڈالدے" معلوم ہوتا ہے کہ خلل میں ڈالنا باطن کے میلان اور قلب کی محبت کی وجہ سے ہے کہ اس کے واقع ہونے کے خوف کی خبر دی ہے اور جبکہ باطن فنا کو پہنچ گیا ہو اور دل ماسوا کو دیکھنے اور جاننے سے رہائی حاصل کر چکا ہو تو اس کے حق میں خلل میں ڈالنا کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ جواب:۔ میلان و محبت دو قسم کا ہے ایک وہ محبت جو ظاہر یا باطن والوں کو شامل ہے اور وہ عوام کا حصہ ہے، صوفیائے کرام کے طریقہ پر چلنا اس آفت سے

رہائی پانے کے لئے ہے تاکہ شرکِ خفی سے رہائی حاصل کرلیں اور اسلام حقیقی کے ساتھ کہ آیتِ کریمہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا [اے ایمان والو (حقیقی) ایمان لے آؤ] میں جس کی طرف اشارہ ہے متحقق ہو جائے اور آیتِ کریمہ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ [اور تم ظاہری اور باطنی گناہ کو چھوڑ دو] اس تعالیٰ شانہٗ کے ماسوا کی طرف متوجہ ہونے سے باطن کو خالی کرنے کا پتہ دیتی ہے، جو دل کہ غیر اللہ کا گرفتار ہے اس سے خیر کی کیا امید ہے جو روح کہ ماسوا کی طرف مائل ہے وہ بارگاہِ صمدیت (الٰہی) میں خوار اور بے سروسامان ہے اور جو محبت کہ ظاہر تک محدود ہے اور اُس نے باطن میں جو کہ فنا و محویت کے ساتھ متصف ہو سرایت نہیں کیا ہے اور اس میلان (محبت) کو طبعی میلان کہتے ہیں اور یہ محبت بیرونی محبت ہے نہ کہ اندرونی، اس کا سبب عناصر کی خاصیتیں ہیں، اس قسم کی محبت و میلان جائز ہے کہ اہلِ فنا اور افرادِ انسانی میں سے کاملین کو ماسوا کے ساتھ پیدا ہو جائے بلکہ ایسا ہوتا ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھنڈی اور میٹھی چیز کو پسند فرماتے تھے اور حدیث شریف "تمہاری دنیا سے تین چیزوں کی محبت مجھ کو دی گئی ہے" مشہور ہے، اور شمائل میں روایت کیا گیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک اُن لباسوں میں جن کو آپ پہنتے تھے سب سے پسندیدہ لباس حبرہ چادر تھی" شارح نے نووی سے نقل کیا ہے کہ حبرہ منقش و مخطط ہوتی ہے، اور ابن بطال سے روایت کی گئی ہے کہ حبرہ یمنی چادر ہے جو روئی یا کتان (السی کا درخت) سے بنائی جاتی ہے اور وہ اہلِ عرب کے نزدیک بہترین لباس تھی اور بعض علماء سے منقول ہے کہ حبرہ یمنی کپڑا ہے جو کہ مزین و منقش ہوتا ہے کہا جاتا ہے ثوب محبرہ یعنی مزین وعمدہ کپڑا، اور نیز اس نے کہا ہے کہ حدیث میں مزین و منقش لباس کا پہننا مستحب ہونے اور مخطط کے جائز ہونے پر دلیل موجود ہے اور اس بات پر اجماع ہو چکا ہے ہذا (یہ بات تو ختم ہوئی) - اور اس جگہ باطن سے مراد عالمِ امر کے پانچوں لطائف ہیں جو کہ انسان کے اجزا ہیں اور نفس جب فنا سے مشرف ہو جاتا ہے اور مقامِ اطمینان میں آجاتا ہے تو وہ بھی عالمِ امر کا حکم اختیار کر لیتا ہے اور مطلوب میں فنا ہو جانے کی وجہ سے ماسوا کی دید و دانش سے رہائی پالیتا ہے اس وقت جہاد کا معاملہ عناصر کے ساتھ جا پڑتا ہے اور حکمتوں اور مصلحتوں کے باعث بشری صفات اور مخالفت کی صورت ان (عناصر) میں باقی رکھی جاتی ہیں اور جس شخص کو اُس فرق پر جس کی طرف مجھے رہنمائی ہوئی ہے اور جس کو میں نے واضح کیا ہے اطلاع نہیں ہوئی اس نے کہا کہ حدیث شریف میں اس بات سے آگاہ کیا گیا ہے کہ ظاہری صورتوں اور چیزوں کے لئے پاکیزہ قلوب اور تزکیہ یافتہ نفوس میں (بھی) تاثیر ہے ان کے علاوہ دوسروں کا تو کیا ذکر ہے

ؔ۱ ۱۲۲/ ؔ۲ ؔ۳ ۶/۱۲۱ ؔ۴ مظاہر حق جلد ۳ ص ۵۲۶-